

AL-
528

91941 9
658

صلتِ رفت



بیانِ شہید
میشیشن
میونسپل
کمیٹی
از
فوج عالم
بیانِ شہید

رول شہید

مکاریا ابو لکلام آنکار

825 14

قیمت تین روپے

جید پریس دہلی

آزاد اکیڈمی دہلی۔

868

860 19

ملنے کا پتہ

ناز پلشندگ باؤس

نسلیں ملکہ ملکہ

پیش لفظ

(مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت سے اگر یا اسی اختلافات کا پہلو جدرا کر دیا جائے تو باقی جو کچھ رہ جاتا ہے۔ اسے علم و ادب کا مرقع کہتا۔ یہا معلوم نہیں ہوتا۔ علم و ادب کا ایک ایسا مرقع جو دنیا سمجھ کی تہذیبوں اور ثقافتوں کو اپنے اندر سمودے ہوئے ہو۔ مولانا آزاد کے متعلق یہ کسی کا بجا ارشاد ہے کہ :-

جب وہ گفتگو فرماتے ہیں۔ تو علم و ادب کے راز ہائے سربستہ حل ہوتے چلے جانتے ہیں۔ مسائل کی موشنگا فیاں ہوتی ہیں۔ باریک تریں نکتے اس طرح کھاتے ہیں۔ جیسے عقل خود انہیں ناخن تدبیر سے سلیمانی ہے۔ اور جب وہ قلم اٹھاتے ہیں تو علم ادب کے دامن پر الفاظ معانی کی ایسی گلکاریاں ہوتی ہیں۔ جو

ہنکھ کے لئے وجہ بصیرت
دماغ کے لئے افزائش علم
ذہن کے لئے مشعل راہ ہو۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ مولانا آزاد کے ادب نے ہر مکتب خجال کے انسان کو خراج نہیں پیش کرنے پر حبوب کیا ہوا ہے اور آج

باوجود ہزار سیاسی اختلافات بلکہ بدترین تضاد فکر کے ملکت پاکستان میں صاحبانِ بصیرت کے نزدیک مولانا آزاد کے ادبی شہ پاروں کو ایک مقام حاصل ہے۔ ایک ایسا مقام جو قابل عزت بھی ہے۔ اور قابل تحریک بھی۔

مولانا آزاد کے علمی کمال کا یہ نقطہ عرض ہے۔ کہ انہوں نے اگر دُنیاوی تہذیب اور تکمیل پر علم و ادب کی روشنی ڈالی۔ تو پیغمبر کے زمانہ کے قبل از زمانہ واقعات یوں نایاب ہو گئے۔ چیزیں ان کی نہود ابھی دوش کے دامن میں بھاٹک رہی ہو۔

انہوں نے اگر اسلامی نظریات کی تصریحات کیں۔ تو یوں محسوس ہوا۔ چیزیں فرون ادلے ماعنی کی تاریخیوں سے نکل کر حال کے خدوخال پر اپنا عکس ڈال رہا ہے۔

یہ مجھے مولانا آزاد کا علم و ادب جس کی افادی اہمیت کے پیش نظر اس مختصر کتاب کی ترتیب دی گئی ہے۔ اور ان ادبی کاوشوں کو کتابی صورت میں کر دیا گیا ہے۔ جو مولانا کی علمی اور ادبی کاوشوں میں ایک خاص درجہ رکھتے ہیں۔ کتاب کی طباعت کنیت اور کاغذ کی ناموز و نیست پہر جال میرا ذائقہ فصور ہے۔ جس کی وجہ لازمی ہے اور حالات کی نامساعدت۔

حضرت احمد بن حنبل

ایں سدہ فاطمہ بنت عُبد اللہ
 الصبرِ حمدیٰ فی المواقف کا لہما
 الْاعلیٰک فا نھا مزموم

چند دل کے لئے ہیں جن کو صفحوں پر سمجھانا چاہتا ہوں، کیونکہ
 سچھاؤں؟ چند آنسو ہیں جن کو کاغذ پر سچھیلا ناچاہتا ہوں، کیونکہ سچھیلاؤں؟
 آہ ان لفظوں کو کہاں سے لاؤں۔ جو دلوں میں ناسور پیدا کر دیں؟ آہ
 اپنے دل کے زخموں کو کیونکر دکھاؤں کہ اور وہ کے دل بھی زخمی ہو جائیں؛
 پتھر میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ مگر حب دل پتھر کے بن جاتے ہیں۔ ان کا پھلانا
 مکان ہے۔ فَهِيَ كَالْجَمَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْجَمَارَةِ
 لِمَا يَتَقَرَّبُ إِلَيْهَا إِلَّا تُهْرِرُ^۱ اور کائنات انسانیت میں خلندی زندگی
 سے ہے۔ دل کے ناسور وہ اور جگر کے زخموں ہی کی وجہ سے ہے جب
 تک دل نرمی ہیں۔ تند رستا ہے۔ لیکن جس دن دلوں کے زخم بھر گئے
 اُس دن یقین کیجئے کہ آپ زندگی سے خالی بھی ہو گئے۔

آج کے تمسیر کے ساتھ ایک خاص صفحہ تصویر کا شائع کیا جاتا ہے۔
 مگر انہوں کا طالب نہیں ہوں۔ جو اس کو دیکھیں، دل کا طالب ہوں،
 جو اس کو پڑھیں، پھر کوئی ہے جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہو،
 معمورہ دلے اگرتا ہے باز کوئے نہ کیں جا سخن یہ ملک فریدوں نے رو

غزوہ طرالبس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ صدیوں کے بعد اس نے صدر اول اسلام کے غزوات و مجاہدات کے واقعات زندہ کر دیے۔ اور مذنوں کے بعد عرب پادیہ کو موقعہ ملا کہ ان کے اصل جوہر نما بان ہوں، بذر اور احمد کے واقعات میں ہم پڑھتے سننے کے لیے عورتیں نہیں جو اپنے آٹھ آٹھ لڑکوں کو اللہ کی راہ میں زخمی کر کے پھر خود زخمی ہو جاتی تھیں۔ اور اللہ کے رسول محبوب کی محبت میں ایسی تھیں کہ تیروں پر تیریں کھاتی تھیں۔ مگر اپنے جسم کو ان کے سامنے ڈھال کی طرح رکھتی تھیں۔ یہ ہم پڑھتے تھے، مگر خاک طرالبس نے یہ تمام واقعات دھرا دیے۔

عربی چنگ کی پہلی خصوصیت عورتوں کی شرکت ہے۔ غزوہ طرالبس کے لئے جب اطراف و جوانب اور اندر وون صحراء سے قبائل جمع ہونے لگے تو ہر قبیلے کے ہمراہ اس کا پورا خاتمہ دان تھا۔ ان میں ہر طرح کی عورتیں ہوتی تھیں۔ وہ نوجوان لڑکیاں بھی ہوتی تھیں جن کے ابھی کھیل کوڈ کے دن تھے، بڑھیا خورتیں بھی ہوتی تھیں، جن کے جسم فوٹی جواب دے سکتے تھے۔ بہت سی عورتیں ایسی بھی ہوتی تھیں کہ ان کی کوڑی میں چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ اور وہ ان کو الگ نہیں کر سکتی تھیں۔ ہم نے وہ تصویریں دیکھی ہیں۔ جن میں کسی عورت نے ایک طرف تو کوڑیں بچپن اُٹھایا ہے۔ اور دوسری جانب پانی کی مشکل ہے۔ اسی حالت میں بیلان جہاد کے زخمیوں کو ڈھونڈتی پھرتی ہیں۔

جن قبائل نے سب سے زیادہ چنگ میں حصہ لیا، ان میں ایک

مشہور قبیلہ رقبیلۃ البراعصۃ) تھا۔ جو کثرت نفوس اور اثر و رسمخ کے
لحاظ سے اندر ون طرا میں کا سب سے بڑا قبیلہ سمجھا جاتا ہے۔
اس قبیلے کا صردار شیخ عبد اللہ تھا، جس کو عرب اپنی بولچال کے
قاعدہ تخفیف سے عبده پکارا کرنے ہیں۔ اس مجاہد عنورتے آغاز
جگ سے خالصاً لوجه اللہ جو غنیم اشان خدماتِ جہاد انجام دیں۔
ان کی تفصیل کا یہ موقعہ ہے۔ جنگ کے تمام تر کافر اس بارے ہیں
متفق انسان ہیں۔ کہ اگر شیخ عبد اللہ کے جاں فروشانہ عزائم اول کار
بیں ساختہ نہ دیتے۔ تو بعد کی کامیابیاں ہرگز حاصل نہ ہو سکتیں۔ مختصر
یہ ہے کہ اس فدائے اسلام نے لپٹے قبیلے کو ابھارا۔ اطراف و نواحی کے
دوسرے قبائل کو آمادہ جہاد کیا۔ اپنا تمام مال و منیاع ترک افسروں
کے سپرد کر دیا، تمام عربوں کو بطور نفقہ جنگ کے روز بینہ دیا جاتا تھا،
اس کے لینے سے بھی اُس نے انکار کر دیا۔ پھر اپنے خاندان کے تمام مردوں
اور عورتوں کو لا کر دشمنان اسلام کے آلات ہہنگی کے سامنے لا کر ھڑا
کیا۔ اُن کو کٹوایا اور اُختر میں خود بھی ان کی رفاقت میں روانہ ہو گیا۔ خدا
نے اپنی محیت کی پہلی شرط یہ فرار دی کہ لَئُ تَنَالُوا الْبَرَّ حَتَّیٰ تُنْفِقُوا مِهْما
تُحِشِّونُ، یعنی حاصل ہنہیں کر سکتے جب تک اس کی راہ میں ان چیزوں کو نہ
لٹا دو۔ جو تم کو محبوب و مطلوب ہیں، کیونکہ ایک دل میں محبت کے دو اسیر اے
نہیں جن سکتے انسان کی دینوی محبوبات میں مال و منیاع، اہل دعیاں، پھر
نفس و جان بھی نہیں چیزوں وہ سب سے زیادہ بوجمل زیمریں ہیں۔ جو اس

راہ میں پاؤں کو ہلنے نہیں دیتیں، اس فانی فی اللہ عاشق صادق نے ایک
ہی وقت میں ان نبینوں متزلوں کو طے کر دیا، سب سے پہلے مال و متلاع کو
اس کی راہ میں لٹایا، پھر اپنے عزیزیوں کو فربان کیا، آخر میں جان رہ گئی تھی،
یہ بھی جان آفرید کے سپرد کر دی۔ لا یُؤْمِنُ أَحَدٌ حَتَّىٰ لِحُبِّ الْيَدِ مِنْ
وَاللَّهِ كَوَا النَّاسُ إِجْمَعِينَ۔

آنکس کہ ترا بخواست جاں راچہ کند فرزند و عہال و خانماں راچہ کند
دیو آنہ کنی ہر دو جہاں شش تجھشی دیو آنہ تو ہر دو جہاں راچہ کند
وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَسْتَرِي نَفْسَهُ أَبْتِقَاءُ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَ اللَّهُ
رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (۱۱: ۳۲) اور اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں۔ جو اس کی
رضائی جوئی کی راہ میں اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔ اور اللہ اپنے بندوں
پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔

اس کا تہام خاندان مصروف پیکار و خدمات جہاد تھا۔ لیکن اولاد
میں صرف ایک گبارہ برس کی لڑکی فاطمہ تھی۔ جس کی حمیت واستغراق
کو دیکھ کر تناہم ترک افسر اور سپاہی چران رہ جاتے تھے۔ ڈاکٹر اسماعیل
شاہی بک جنہوں نے اس کی تصویر اُتاری تھی لکھتے ہیں۔

"سب سے پہلے میں نے اس معصوم انسان کو اس وقت دیکھا
جب میں پہلی مرتبہ اپنی جماعت ملے کر عزیز یہ سے زوارہ آیا تھا، عورتوں
اور لڑکیوں کی شکر میں کمی نہ تھی۔ کیونکہ ہر عرب مع اپنے پوئے خاندان
کے شریک جہاد ہوا تھا۔ لیکن چند مخصوص بائیں فاطمہ میں ایسی نظر آتی تھیں

جن کی وجہ سے وہ ہزار ہا مردوں اور عورتوں میں بھی پہچان لی جاتی تھی، اول تو اس کی عمر بہت حصوں تھی، زیادہ سے زیادہ گیارہ برس کی ہو گی۔ دوسرے اس کو جنگ اور جنگ کے زخمیوں سے کچھ ایسا انس ہو گیا تھا کہ سخت بیس سخت معرکوں میں بھی اس مسابقت اور پیش قدمی کو ہر سپاہی محسوس کرتا تھا، جنگ خواہ حملے کی ہو، یا تکواروں اور سنگینوں کی سامنے صفائی ہوں، مگر زخمی مسلمان کی آہ میں اس کے لئے ایک ایسی کشش تھی جس کو سُن پہنچ کے بعد محل ہو جاتا تھا، کہ اس کی چھوٹی سی مشک اپنے ذریں کو بھول جاتے۔ وہ کم سن تھی۔ لیکن اس کے اندر ایک ہیں سال عشق موجود تھا۔ یہ عشق ہو ولع یا امتیاعاتِ حیات کا نہ تھا۔ بلکہ خون زخم اور کئی ہوئی انسانی رگوں کا، جہاں کہیں یہ چیزیں موجود ہوئیں وہ ایک بادر مقام ہر نی کی منفردی مگر فرشتہِ عشق کے پروں سے اڑتی ہوئی وہاں پہنچ جاتی تھی، میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ بارہ دو کے دھوئیں سے تمام فضاتا ریا پہنچی ہیں، کانوں کے پردے نوپوں کی سامنہ شکن صد اڑیں سے بھیٹ ہے میں گلوں کے بھٹٹے سے ایک عارضی روشنی نمودار ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی انسانی احتفصال کی چیزیں مخفی مہیب گرجوں کے ساتھ مل کر ایک عجیب دحشت انگیز سماں بہ پا کر دیتی ہیں۔ ایسے حکمرخراش اور زہرہ گداز عالم میں وہ معصوم ہر فی (مجھے اپنی طرح بیا دے) اپنا اونچا کر تھا پہنے ہوئے اور ہمیں ہوئی خمار کھکھ کے گرد پیدیتے ہوئے اس طرح دوڑ رہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ مظلوم و مختال زخمیوں کی خبر گیری کے لئے کوئی فرشتہ رہا نی آسمان سے اُتر آیا ہے اور

اللہ نے ہوا اور زمین کو اُس کے تابع کر دیا ہے۔ کہ وہ انھلے رہے اور
بے پیشی جائے، سامنے سے گولوں کی لگاتار بارش ہو رہی تھی، مگر یہ اسی
بارش پر نیز تھی ہوئی جاتی تھی، انسانی لاشیں ایک پر ایک گردہ رہی تھیں، مگر
ہر نیٹ لاش گرنے کی آواز خوف کی جگہ اُس کے دل میں قوت کی نی رودپیدا
کر دیتی تھی، بہ حالت دیکھ کر میں بے اختیار ہو گیا۔ کچھ بعد یہ نہیں کہ ایسے خطرناک
اور بکسر موت و ہلاکت کے عالم میں یہ برق دش ہمیشہ کے لئے نظر وہ سے چھوپ
جائے میں تے ارادہ کر لیا کہ اب کی مرتبہ اگر وہ نمودار ہوئی تو کسی نہ کسی
طرح بکڑ کر سمجھاؤں گا، کہ موت کی اس درجہ آرزومند کیوں ہو گئی ہے؟
نخوری ہی دیکھ کے بعد ایک چھوٹا سا سایہ فریب سے گذرا، میں نے
لپک کر اس کا ہاتھ بکڑ یہا اور کہا سمجھئے نہیں معلوم کہ تو لپنے باپ کی ایک
ہی پیٹی ہے؟

چھوڑ دو کیا تم سمجھوں گے کہ اسلام اور وطن کے کلتئے فرزند یہاں
پیاس سے دم توڑ رہے ہیں؟ یہ کہا اور نظر وہ سے غائب ہو گئی۔

وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ مجھ کو سرخ رنگ سے عشق ہے۔ آہ! یہی رنگ
ایک دن میں نے اُس کی گردن اور دل کے نیچے میں یہتا ہوا دیکھا۔

۱۲ رجب ۱۳۴ھ کو زوارہ میں اطاالیوں نے دو ماہ کی مسلسل
تباریوں کے بعد ایک بہت بڑا حملہ کیا تھا۔ عربوں نے بھی جو عرصے کی
بیکاری سے گھبرا اٹھے تھے، بھوکے نیشوروں، کی طرح ان کا استقبال کیا،
وہ میں جو خبر بعد کو مشتمل کی گئی تھی اس میں اطاالیوں کی تعداد چھ ہزار

بتلائی تھی، مگر دراصل بارہ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔ عربوں اور ترکوں کی متعدد فوج کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین ہزار تھی۔

یہ لڑائی دن بھر جاری رہی اور عصر کے وقت بارہ سو لاٹیں میران جنگ میں چھوڑ کر اپنی عادت مشتمرہ جنگ کے مطابق اطایوں نے ساحل کا رُخ کیا۔

عین دوپہر کا وقت تھا۔ اٹالین توپ خانہ دونوں جانب سے آگ برسا رہا تھا، دس ہزار پندوقوں کے چھوٹنے کی آواز ایک ہی وقت میں کڑک رہی تھی، تمام ریگستان میں موت اور ہلاکت کے سوا کچھ نہ تھا، اس وقت اس بہشت زار شہزادت کی حُر عین فاطمہ کہاں ہے؟
وہ بدستور لپنے ہی کام میں مشغول ہے۔ اس کی دامنی رفیق مشک اس کی پیٹ پر ہے، دھوئیں اور نیش کی شدت سے چہرہ جھلسا ہوا ہے۔
پالوں پر سُرخی مائل ریت کی تہ بھی ہوتی ہے۔ کپڑے اس کے محبوب "سرخ رنگ" کے دھبتوں سے رنگین ہو رہے ہیں۔ اور اپنی مخصوص محظوظانہ محوبت کے پروں سے فضائے جنگ میں اڑ رہی ہے۔

اس کی ماں بھی اسی خدمات میں شریک ہے۔ مگر اس کا ساتھ کون دے سکتا ہے؟ اس کا باپ بھی اپنے قبیلے کے ساتھ مصروف ہاں پازی کرے۔ عصر کا وقت جب تقریباً آگیا تو مجاہدین آخری عزم فیصلہ کرنے کے ساتھ و شمنوں پر ٹوٹ پڑے، اور ان کی صفوں میں گھس کر تلواروں سے کامنا شروع کر دیا۔
احمد نوری بیک نُر کی کمان افسر نے عربوں کے هجوم کو دیکھا تو خود بھی اپنی جماعت

لے کر دشمنوں کے مشرقی نوب خانے تک بڑھتا ہوا چلا گیا، نوب خانے کے پاس اٹالیوں کی ایک نازہ دم جماعت موجود تھی، جس نے اب تک لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا، ایک چھوٹی سی جماعت دیکھ کر وہ ہر طرف سے لوٹ پڑے اور تین نزک سپاہیوں کو پاروں طرف سے گھیر کر تبدیلی کا نتھا بنا تاچا یا، نہیں معلوم کون سا تھا ذمہ تھا، جس نے عربی عسفوں سے اس قدر دُور فاطمہ کو پہنچا دیا تھا، اُس نے دیکھا کہ جا بناز ترک نلواروں کے پیے اماں ہاتھہ مار کر صدافت نکل آئے ہیں، نامرا دا اٹالی حریقروں کو روک نہ سکے، مگر اپنے زخمیوں کے مدد سینہ میں سینگین چھپو کر اپنا غصہ نکال رہے ہیں۔ گیارہ برس کی فاطمہ دیکھتے ہی پکی اور لخیر ان لوگوں پر نظر ڈالے ہوئے جو پاس ہی گھٹے تھے، اپنی مشکل ایک زخمی کے منہ سے لگادی، پورا ایک گھونٹ بھی اسی زخمی کے حلقوں سے نہیں اُتران تھا، کہ دو اٹالیوں نے بڑھ کر گردن کے پاس سے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ فاطمہ معاشری بگردشمن کی گرفت مضمبوطاً تھی، فوراً اس نے زخمی تُرک کی پڑی ہولی خون آؤندی نلوار اُحتمالی اور اس زور سے ماری کہ اطالوی سپاہی کے دلہنے ہاتھ کا پہنچا زخمی ہو کر لٹک گیا، اس نے گردن چھوڑ دی: تاکہ باہیں ہاتھ سے دشمن پر حملہ کر سکے۔

ادھر بندوق کے چھوڑنے کی آذار آئی اور اُدھر اُلیٰ فوج شکست کھا کر بجا گئی ہوئی نظر آئی۔

عرب اور تُرک سپاہی حب دشمنوں کا تعاقب کرنے ہوتے

میدان چنگ سے آگے بڑھتے تو انہوں نے دیکھا، کہ چار ترک زمین پر
پڑے ہیں، پاس ہی فاطمہ کی لاش ہے۔ مگر اس حالت میں کہ مشک
کا حلقة ہاتھ میں کپڑا ہوا ہے۔ اور مشک ایک بیویش ترک کے سینے
پر پڑی ہے۔ شاید مرتے دم بھی زخمی ترک کو پانی پلانے کی کوشش
کی خنی، مگر مشک اس کے سُنہ تک نہ لے جا سکی۔

نامہ ملکہ

لَمْ يَأْتِكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
لَمْ يَأْتِكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

تاریخ عہدِ عبادیہ کا ایک دور ق

مسئلہ خلق قرآن اور مناظرہ دربارِ ماموں الرشید

علمائے سلف کی حریثت حقہ اور دعوت الی الحق کا ایک نظارہ!

اسلام کے ابتدائی عہدوں میں جن مسائل نے سب سے پہلے اختلاف و تفریق کی بُنیا دیں رکھی ہیں۔ اور مسلمانوں کو کتاب و سُنت کی هر لاط مستقیم اور صحابہؓ کرام کے اسوہ حسنہ سے انحراف کی راہ دکھانی ہے۔ ان میں سے ایک معروکتہ الآراء اور شدید الاختلاف مسئلہ "خلق و قدم قرآن" کا بھی ہے۔

مسئلہ خلق قرآن

مسئلہ "خلق قرآن" مقصود یہ تھا کہ اللہ کا کلام جو ہمارے پاس ایک کتاب کی شکل میں موجود ہے۔ اس میں الفاظ ہیں اور معانی ہیں، الفاظ کی آواز ہے، جو مختلف حرکات زبان و اطراف زبان سے بنتی اور نکلتی ہے۔ معانی کے حقائق متصورہ ہیں جن کا وجود معقولی بھی ہے، اور وجود خارجی بھی، لیس ان اعتبارات سے قرآن فریم ہے یا حادث؟ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

اس مسئلہ کو فلسفہ دان اقوام کے اختلاف نے پیدا کیا تھا

اسلام کی، اصلی سرزین ان لاحاصل اور قوائے عملیہ کو بیکار کرنے والی کاوشوں سے بالکل پاک تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان سوالات سے صحابہ کو روکا جوان کی عملی زندگی اور ان کے نصب العین سے ان کو بہتر نہیں دلے تھے۔ اسلام نے عمل و سعادت کی ایک ہی سیدھی راہ کھول دی تھی، اور وہ چاہتا تھا کہ مسلمان ہر ف اسی کی رہر دی میں مشغول رہیں، آپ کے بعد تمام عہد صحابہ بھی اسی حال میں بسر ہوا۔ لیکن بنو امیہ کی حکومت نے نظام خلافت اسلامی میں ایک انقلاب عظیم کر کے اس کی اجتماعی قوت کی نشوونگاروک دی، اور نئے نئے قتنوں اور ہلاکتوں کا دروازہ کھول دیا۔ ایک بڑا فتنہ علوم غقیلیہ قدمبیہ اور مذہب کا غیر صالح اختلاط انہا، ایک طرف نو مسلم عجمی اقوام اپنی تمام پُرانی بختوں اور کاوشوں کو لپٹ ساختھ لایں۔ دوسری طرف اہل کتاب اور مجوہ سی علماء حکومت اموی کی تمام شاخوں اور ملکموں پر حادی ہو گئے، ان لوگوں نے جہاں اپنی مذہبی روایتیں مسلمانوں میں پھیلایں، وہاں فلسفیات مباحثت قدیمیہ کا وہ دفتر پاریتیہ بھی کھول دیا، جو اسکندریہ و سوریا کے کھنڈروں اور جنوبی پور و مدائن کے اطلال و آثار کے اندر مدفنوں ہو چکے تھے۔

در اصل اس سوال کو پیدا کرنے کی ایک سخت صنایع اور مسکن شریعت سے اخراج نہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کو خدا کے رسول نے ہم تک پہنچا یا۔ ہماری معلومات اس کی ثابتیت ہر اسی قدر ہے۔

اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے آتنا علم کافی ہے وہ مخلوق ہے یا قدیم؟ یہ سوال نہ تو خود قرآن نے ہمارے سامنے کیا، نہ اللہ کے رسول نے۔ نہ تربیت یا فتنگاںِ عہد بتوت نے، پس جو کچھ ضروری تھا وہ دہی تھا جو بتلا دیا گیا، اور جو نہیں بتلا دیا گیا وہ ضروری ہی نہیں ہے اور اس کی فکر و کاوشن بیس ہمارے لئے کوئی سعادت نہیں۔

سلف صالح اور محمد تین کرام کا بھی مسلک تھا اور صرف اسی راہ میں امن تھا، لیکن افسوس کہ سماں ان فتنوں سے نہ بچ سکے جو ان سے پہلے کی قوموں میں موجب مغلات ہو چکے تھے۔

پھر قدم و حدوث کے اعتیار سے بھی دیکھا جائے یہ مسئلہ بالکل واضح تھا، اور اس کی حقیقت ایک ہی تھی، اللہ اور اس کی تمام صفات کاملہ قدیم ہیں، اس کی ایک صفت کلام ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے پس حروف و اصوات والفاظ کی جسی مرتبہ و منظم شکل میں وہ موجود ہے اس کی حقیقت نظمی و ترتیبی کو بھی قدیم ہی ہونا چاہئے۔

لیکن فلسفیانہ کاؤشوں نے ایک بات کو پھیپھڑا بنایا کہ نظر و بحث کی اور راہیں بھی کھول دیں۔ فرقہ معتزلہ نے چو فاسقہ و معقولات یونانی سے سے متأثر ہو چکا تھا، اس مسئلہ کو بالکل دوسری زیر سے دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنازیل ہوا۔ اس سے پہلے نہ تھا۔ وہ ایک بامعنی عبارت ہے۔ عبارت جملوں سے مرکب ہے۔ جملے الفاظ سے، اور الفاظ حروف سے، یہ حروف

اور یہ الفاظ جب ہماری زبان سے نکلتے ہیں۔ تو ہماری آواز ہوتے ہیں، جو اس سے پہلے نہ تھی، اور جس کا حد و ثہ ہمارے ہمارے ہی حلق و زبان سے ہوا۔ پس ان اعتیارات سے قرآن مخلوق ہے قدمہم نہیں ہو سکتا بلکہ ہو۔ بربیں اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ قرآن بھی اشیاء عینی داھلی ہے، اسے بھی مخلوق ہونا چاہئے۔

ان جملات سے مفترلم تھے سخت مخواہ کر کھانی۔ انہوں نے دعویٰ کر دیا، کہ قرآن مخلوق ہے اور اس طرح گمراہی دناد کا ایک بڑا دروازہ ہست پر کھول دیا۔ ان کی بدایت فلسفیات کا وصولی کے اندر گم ہو گئی وہ یہ نہ تصحیح کہ اصوات حروف کا مخلوق ہونا جوانان کا فعل ہے، دوسری چیز ہے، اور قرآن کا مخلوق ہونا جو ایک حقیقت نظمی و ترتیبی کا نام ہے یا لکل دوسری ہے، قرآن حکیم کو کسی اعتیار سے بھی مخلوق و حادث نہیں کہ سکتے، وہ نہ نوحرفوں کا نام ہے اور نہ اُن آوازوں کا جوانان کے حلق سے نکلتی ہیں۔ "الحمد لله رب العلمين" کا ہر حرف اور ہر نغمہ اپنی انفرادی حالت میں جو آوار پیدا کرتا ہے لوران کی حرکات صوتیہ سے جنم تو ہو اکے ذرات میں ہوتا ہے، یقیناً حادث ہے، لیکن سانہ ہی وہ قرآن بھی ہنیں ہے۔ قرآن تو اس حقیقت نظمی کا نام ہے، جوان حروف کی ایکا خاص الہی ترتیب و تنظیم سے متصل ہوتی۔ اور "الحمد لله رب العلمين" بن کر لسان وجہ پر جاری ہوتی۔ وہ قدیم ہے، اس لئے کہ خدا جسی قدمہم ہے۔

گلستان کا ہر حرف اور ہر لفظاً سعدی کا کلام ہیں ہے۔ لیکن گلستان سعدی کی ہے۔ اس لئے وہ حقیقت جوانہ اور حروف و اصول کے علاوہ ہے، اسی کا نام گلستان ہو گا، اور وہی سعدی کی تصنیف ہے۔

پس "قرآن" جس کتاب کا نام ہے وہ کسی اعتیار سے بھی مخلوق ہیں ہو سکتی۔ معتبر نے اسے مخلوق قرار دے کر ایک طرف تو ان بخنوں کا دروازہ کھولا جو اسلام کے لئے سب سے بڑا فتنہ تھا، دوسری طرف قرآن کی الہی عظمت و فردوسیت کے اعتقادی آساس کو بھی سخت صدمہ پہنچی کا امکان پیدا کر دیا، قرآن کی ربائی دالہی عظمت کا اعتقاد اسلام کی تمام کائنات زندگی کی اصلی روح شفی، پس اگر آغاز عہد ہی میں اس کی پوری حفاظت نہ کی جاتی تو بہت صلی وہ وقت آ جاتا جب لوگ تورات اور انجیل کی طرح قرآن حکیم کی عزت الہی کو بھی غارت کر دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرزند ان اسلام کی سب سے بڑی مقدس و حامل شریعتیہ جماعت یعنی محدثین کرام کو اس بدعت مصلحت کے اندازو کے لئے کھڑا کر دیا اور انہوں نے اپنا خون بہا کر اس مسجد کے دست پر دسے قرآن حکیم کی حفاظت کی۔

مسلم کی احکیمت

آج کل کے لعین ارباب علم دنظر کا قیال ہے کہ اس قسم کی بحثیں

جن کے لئے ہمارے سلف اور علماء حق نے ایک عظیم اثنان داعلی جہاد کیا، اور اکثر اوقات اپنی زندگیوں نکل کی فربانی کر دی، ممحض ایک لفظی نزلع تھی، اور سوچ فہم و کج ذہنی نے ان کو اہم دریقیع بنادیا تھا۔

وہ ان لوگوں کی غفلتوں پر تعجب کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم ان سے زیادہ عقولمند ہیں، کیونکہ ان بحثوں کی بے وقتی و پے اثری کو خرد مندرانہ محسوس کر رہے ہیں، لیکن افسوس کہ ہم ان سے مشتفق ہیں ہو سکتے یہ مسائل جس عہد میں پیدا ہوتے، وہ اسلام کی کشوونماۓ اجتماعی کا اپنالی عہد تھا۔ اس کے سرچشمے پھوٹ کر بھر رہے تھے، اور ایک نکلا بھی ان کی راہ میں آ جاتا تھا تو خوف ہوتا تھا کہ یہی تسلیکے جمع ہو کر ایک دن بڑی بڑی نہروں کے دباؤوں کو بند کر دیں گے۔ محمد نبی کرام نے اس حقیقت کو سمجھا اور اسلام کی حفاظت کے لئے کمرستہ ہو گئے، ان کی مثال اس جانباز عاشق کی سی سختی، چولپنے موثوق کے نلوؤں میں ایک کلنٹ کی چیخیں بھی دیکھتا ہے تو اس صورت سے چیختا ہے۔ گویا اس کے پہلو میں خنجری شکاف کر دیا۔ وہ اُس ملیک ایک تسلیک، ایک ایک کلنٹ اور مٹی کے ایک ایک ایک ذرتے کے لئے اپنی گردنوں کو ذرع کر ا دینا چاہتے تھے، جو اسلام کی راہ میں آ جائیں، اور اس کی صراطِ مستقیم کو آسودہ کرنا چاہیں، اگر اس وقت اللہ تعالیٰ فرمداں اسلام کی اس سب سے زیادہ بزرگزیدہ جماعت کے دلوں کو لپٹے الہام سے معمور نہ کر دیتا۔ اور وہ ایک داعلی جہاد عظیم کر کے ان تمام فتنوں کا سبب نہ کرنے، تو آج ڈنیا میں اسلام کی بھی

وہی حالت ہوتی جو دنیا کے تمام مکر و مسخ مذاہب کی نظر آ رہی ہے، اور اس کی حقیقتی تعلیم کو بھی طرح طرح کی بدعاں و محدثات کا بیباپ بہالے کیا ہوتا۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ اسلام کی گردان پر تلواریں پڑتی ہیں، تو ہمیں اتنا بھی صدر مذہبیں ہوتا۔ جتنا کسی انسکلی کے پوتے یہیں سُوفی کی خاش سے ہر مکن ہے، نہ ان پاک روحیں اور خدا کے کلمہ حق کے جام شاروں کی حالت کا کیس اندازہ کر سکتے ہو، بھروس کی راہ میں ایک منشکے کے آجائے سے بھی اس طرح پے چین ہو جاتے تھے، گویا ان کے پستروں پر دیکھتے ہوئے اسکا ریجھ پا دیجئے گئے۔ قرآن حکیم کی جس حفاظت و عظمت پر نہ آنہ ناز کرتے ہو، پہ در حمل ائمہ محدثین کرام کی حق پر ستبیوں کا میتھجہ ہے۔ جہوں نے اس کو صیغہ گوارانہ کیا، کہ کوئی نبی آواز قرآن کے لئے اٹھائی جائے اور کوئی بات اس کی نسبت کہی جائے، جو اس کی غیر انسانی عظمت کی تشریف و تقدیس کو ٹھیک لگائے۔

پھر اس سے بھی قطع نظر کر دیا۔ یہ مسلم محقق ایک لفظی نزلع ہی کب سمجھا، مفترضہ کہتے تھے کہ قرآن مخلوق و حادث ہے۔ مہر مسلمان کو اس کا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ اور اس طرح قرآن کے لئے ایک ایسی بات کہتے تھے، اور ایک ایسی بات کا اقرار کرنا پڑتا تھا، جس کا اقرار نہ تو خود قرآن نہ کرایا اور نہ رسول نے کچھ کہا۔ پھر کیا یہ ایک سخت فتنہ نہ تھا۔ جو نبی اعلیٰ اعلیٰ بدعتوں کا ابلیسی در دارہ مکھوٹا تھا؟ اور کیا یہ شریعت پر حملہ کرنے اور اسلامی اعتقاد کی ترمیم نہ تھی؟

محمد بنین کرام نے جن منفاهیں کی، یہا پر اس طرح کے تمام فتنوں کی

مخالفت کی اور کسی شکل میں بھی ان کو گوارا نہ کیا، واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ بکسر صحیح واقعی تھے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اپنی مسائل نے پالا خرا سلام کی حقیقی تعلیم کو طرح طرح کی خارجی صنعتیں سے آسودہ کیا، اور ان کو شششوں کے بعد بھی اسلامی عقائد غیر دینی اثرات واخنکار طے سے محفوظ رہ سکے۔ صرف محمد نبی کرام ہی کا ایک گروہ ایسا نظر آتا ہے جن کے دلوں کو اللہ نے اپنی حفاظت بیس لے بیا تھا۔ نہ تو انقلابات علمی کے مؤثرات ان کی استقامت حق پر غالب ہے سکے۔ اور نہ الناسی افکار و ادھام کی دلکشیاں ان کے دلوں کو جمال قرآن و سنت کے عشق سے پھیر سکیں۔ فی الحقيقة یہی وہ پاک جماعت تھی جس کے لئے زبان ثبوت نے اول روز ہی حکم سُنا دیا تھا۔ لَوْيَال طائفۃ من ۴ منی قامیین علی الحق، حتیٰ یا نی امر اللہ و هم غائبون۔

بہر حال علماء حق اور محدثین کرام نے اس بدعت شدیدہ اور فتنہ عظیمہ کا اس قوت و سر فردشی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ تمام دنیا کی حق پرستی و امر بالمعروف کی نازنخیں اس کے واقعات کی یادگار رہیں گے۔

اگر یہ مسئلہ صرف عامہ معتبر نہ تک محدود درہنا تو پسیروں اسلام کے سواد اعظم کے لئے رجو اس کا مخالف تھا، کوئی مصیبت نہ تھی یہ صرف بحث و دلائل کا میدان ہوتا۔ اور زبان و قلم کا جہاد اس کے لئے کافی تھا، لیکن مصیبت یہ تھی کہ حکومت وقت نے اس مذہب کا ساتھ دیا، اور بعض خلفیے عبا سیہ نے معتبر نہ کر خلن قرآن کے مسئلہ کو

پھر اپنی میلانا چاہا۔ انہوں نے حکومت کے زور، مسٹروں کے اعلان فید خانوں کی زنجیروں، اور جلازوں کی تلواروں کو حرکت دی اس لئے یہ علمی سستہ علمی نہ رہا، بلکہ ارباب حق کے ابتدا و آغاز کی بحیثیت ناک ہولناکی بن گیا۔

امون الرشید کا استبداد

خلفاء عباسیہ میں امون الرشید عباسی ایک عجیب و غریب حکمران گزر لے ہے۔ اس کی زندگی میں بعض چیزیں بالکل منضداد جمع ہو گئی ہیں وہ ایک طرف علوم اسلامیہ کا ماہر تھا، عربیہ کا کامل الفن تھا، علم و حکمت کا عاشق اور حریت و آزادی کا حامی تھا۔ اس کی حریت پسندی نے دُنیا کے تمام مذہبوں کو مطلق العنوان چھوڑ دیا۔ الحاد آزاد تھا، شوہیت کی پرستش نہ تھی، مانویت علائیہ ظاہر کی جانی تھی، مزدکیت کے لئے کوئی درہ نہ تھا، یونان و ایران کے جن محمدانہ مذاہب کو کبھی بھی پناہ نہ ملی تھی۔ وہ بخدا کی گلی کو چوں میں پر درش پا رہے تھے،

لیکن دوسرا طرف اسلام کے اندر ورنی مذاہب و اختلافات کے میدان میں آکر دیکھئے تو اس کے ہاتھ میں استبداد کی بے پناہ تلوار اور زبان پر جبر و قہر کے سخت سے سخت احکام نظر آتے ہیں! اamon الرشید کے اسی استبداد داخلی کے ساتھ میں مسلمہ حق

قرآن کا فتنہ عظیمیہ بھی ہے۔ جس نے تیسرا صدی ہجری میں علماء حق کے لئے ابتلاء امتحان کا ایک نہایت نازک وقت پیدا کر دیا تھا۔ اس نے مقتولہ کا مذہب خلق قبول کر دیا۔ اور اسی کو حق د باطل اور اسلام و کفر کا معیار قرار دیا۔ اس نے چاہا کہ اپنی حکومت کے جزو قبر سے لوگوں کو مجبور کرے، اور اس چیز کا اقرار کر لئے جس کے لئے شریعت نے انہیں کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ بلاشبہ وہ لپنے بھائی ابین المرشید کو قید خاتمه کی کو ٹھہری میں قتل کر سکتا تھا۔ اور یقیناً اُس کے بھی ہوئے جلا ددن کی نلواروں میں یہ قدرت نہیں، کہ میکین ابین کے نکلنے کی ڈھال پر غالب آ جائیں۔ لیکن اس کی پوری حکومت اور حکومت کی نماص طائفیں بھی اس سے عاجز تھیں، کہ حابلین شریعت اور علماء حق کے استغفار و ثبات پر غالب آ سکیں، اور ان کو حق وہدایت کی اس راہ سے پھر ادیں، جس پر ان کا یقین اور تواریخ ان انہیں چلا رہا تھا۔ تاہم فتنہ عظیم تھا۔ اور اس کے فمارانہ نتائج نے وہ سب کچھ کیا جو ایسے مواقع میں ہدیثہ ہوا ہے۔ پہت سے علماء حق فہد ہوتے ہی بہت سے جلا دطن کئے گئے، بعض خاک دخون میں بھی تڑپیے، اور بہتلوں کے قدم جادہ نبات سے ڈگ کا حصہ گئے۔

فتنه کی ابتداء

غالباً سب سے پہلے ۱۲۱۷ھ ہجری میں مامون المرشید نے

خلق قرآن کے مسئلہ کا سرکاری طور پر اعلان کیا۔ اور دارالخلافۃ
میں بحث و مباحثہ کا باز ارگرم ہوا لیکن جیر و تشدید کی ابتدا ۱۸۷۴ء
سے نظر آئی ہے۔ جیکہ ما مون المرشید پوری قوت کے ساتھ آمدہ
ہو گیا تھا۔ تلوار کے زور سے خلق قرآن کا مذہب مسلمانوں میں
پھیل لئے۔

چنانچہ اسی سنہ میں اس نے ایک فرمان اسحاق بن ابراہیم
گورنر جنگداد کے نام پھیلایا۔ فرمان کا مضمون یہ تھا کہ تمام علماء شہر کو جمع
کرو۔ ہم لوگ خلق قرآن کا افرار کریں۔ انہیں چھوڑ دو۔ جو انکار کریں،
آن کی نسبت خبر دو۔ پھر دوسرا فرمان پھیلایا کہ بشر بن ولید الکندی
قاضی القضاۃ ابراہیم بن مہدی اگر انکار کریں۔ تو قتل کر دیئے جائیں
لیکن ان کے علاوہ دیگر منکریں خلق قرآن کو صرف قید کر دیا جائے۔

(ایوال فدائی جلد دوم صفحہ ۳۱)

ابراہیم بن مہدی کے قتل کا تو پولیٹکل اسیاب سے وہ خواستہ گاری
تھا۔ لیکن بشر بن ولید کے لئے قتل کی سختی اس لئے تھی کہ وہ قاضی القضاۃ
تھے۔ افسوس کہ ان دونوں کا ثبات اس پہلی آزمائش ہی میں ہلاک ہو گیا
اور خلق قرآن کا اقرار کر کے اپنی جان بچا لی۔ اور بہت سی کثرور
روحیں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ لیکن علماء حق کی ایک مقدس
جماعت ایسی بھی تھی۔ جس کے لئے حکومت کی تلواروں اور
دینی عقوبات کے فرمانوں سے بڑھ کر خدا کا فرمان میبت و

و سطوت رکھتا تھا۔ انہوں نے صاف ایکار کر دیا، اور قید خانہ کی
بیڑیاں خوشی پہن لیں۔

اس جماعت عت کا سر زاج وہ وجود منفرد و مبارک تھا جس کے
کو شریعت کے ایجاد و تجدید اور کتاب و سنت کے میک فویم کے
اعلان و حفظ کی خدمت درگاہ اہلی سے پُرد ہوئی تھی۔ اور جس کی
قریانی کو ہدایت اس فتنہ کے استیصال کے لئے روز اذلی سے
چن بیا تھا، یعنی حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو فی الحقيقة تمام
ہمہ سلف میں اپنی مخصوص فہیمتیوں کی پناپر ایک ہی شخص ہیں جن کو
”امام اہل سنت والجماعت“ کے لقب سے پکارا جا سکتا ہے۔
ہم کبھی آئندہ امام موصوف کی اس بادگار قربانی کا حال پہنچیں
لکھیں گے، یہاں صرف اسی قدر اشارہ کر کے ایک دوسرے واقعہ
کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

جامع رصافہ

اس واقعہ کے بعد ہی مصائب و محن کا ایک سیلا بامنڈ
آیا۔ اور تمام بخدا کا سپ اٹھا۔ علماء کے سامنے ہوت دوہی راہیں
لختیں۔ یا اس چیز کا افرا رکریں، جس کا اقرار شریعت نے ان سے
نہ کرایا، یا جلد کی تلوار دلکھیں اور قید خانہ کی زنجیروں سے
ہم آغوش ہوں۔ بہنوں نے بخدا سے ہجرت کی۔ بہنوں نے گھر سے

نکھلنا پس کر دیا۔ بہنوں کی عربت گز بی بیان تک بڑھی کہ جمیع
کی جماعت کی مشرکت بھی ترک کر دی، لیکن کسی کو اس کی جرأت
نہیں ہوتی تھی۔ کہ ما مون الرشید کی سطوت و علاں کے مقابلے کے
لئے اُٹھے اور اس جیروٹھر اور تسلط غیر شرعی سے اُسے روز کے۔

ما مون نے گذشتہ واقعات ہی پر فناخت نہ کی، بلکہ استبداد
و حیر کا ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ بغداد کی سب سے بڑی مسجد "جامع
رضاۓ" تھی جو رصافہ کے شرقی جانب واقع تھی۔ اور جس کا صحن ہمیشہ
علمائے ملت کے درس و مواعظ کی محلسوں سے پُر رہتا تھا۔ ما مون
نے حکم دیا کہ فقہاء اور عحد ثین بیس سے کوئی عالم مسجد بیس درس نہ
دے، اور نہ لوگوں کے مجمع بیس بیٹھے۔ صرف بشر مریسی اور محمد بن جہنم
کے لئے یہ مناسب مخصوص ہے۔ جو اکابر معتزلہ، اور خلق قرآن
کے دعاۃ بیس سے تھے۔

اہنی دونوں شخصوں کے ہاتھ تھام فقہاء و عحد ثین کی موت د
جیات کا رشتہ دے دیا تھا۔ جو عالم مسلم خلق قرآن کی مخالفت بیس ایک
لفظ بھی زبان سے نکالتا تھا۔ پولیس اُسے گرفتار کر لینی تھی۔ اور ان کے
سامنے لے جاتی تھی۔ وہ جو حکم دیتے تھے اُس کی معالقہ میں کی جاتی
علماء کا ایک بہت بڑا اگر وہ جو اپنے اندر سچائی کے لئے دکھ اٹھانے
کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ لفظاً ہر ان کا ہزار بیان بن گیا تھا۔ اور نقاۃ
کی پس پر ان کی تلوار کو روکتا تھا۔

یہ تدوین خبر بیہت جلد تمام عالم اسلامی میں پھیل گئیں۔ اور ہر شہر میں اسی فتنہ کا چہرہ چاہونے لگا۔

شیخ عبد العزیز پر الکنائی

مکہِ معظیمہ میں اس وقت ایک عالم حنفی اور محدث عصر شیخ عبد العزیز بن حبیب کنافی تھے، انہوں نے جب اس فتنہ کا حال سنا۔ اور مامون کے فہر و حیر، معتبر لہ کے استیوار، اور علام کی خاموشی کی سرگزشتی معلوم کیں۔ تو غیرت حنفی کے جوش اور امر بالمعروف کی روح ایمانی کے اضطراب سے جیے اختیار ہو گئے، اور عزم بالجزم کر لیا، کہ اس فتنہ کے انداد کی راہ میں اپنی زندگی فربان کر دیں گے، وہ لپٹنے رسالہ میں (یہ خاص طور پر اسی واقعہ کی نسبت لکھا ہے)۔ اور جس کا قائمی نہیں جامع اموی دمشق کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، لکھتے ہیں۔

اتصل بی را فاجکت ما ابنتی بہ
بیں مکہ میں نجا جب مجکو بغداد کے واقعات
الناس فی بغداد وکیف استطاع
علیہم لیشر المرضی ولدیں سعی
سخت مصیبت میں متبلہ ہو گئے ہیں
او رکس طرح لیشر مرضی ان پر سختیاں کر رہا
امیر المؤمنین دعامة اولیاء
فاطر تو می و خرجت صن
پلی می متوجهہ الی رجی و اسالہ
سلطنت پر اس کا داؤ چل گیا ہے پس
سلی منی حتی قدمت بغداد

فشاهدت من غلظ الامر
نکلا۔ اللہ کی طرف میری نظر نبھی اور اسی
امتداد کے اضعاف مکان کے فضل دنفرت سے اپنی سلامتی کا
یتھصل بی۔
پہنچ گیا۔ اور اپنی آنکھوں سے نہام طالت دیکھی مجھ پر روشن ہوا کہ معاملہ اس
سے بدر جہا زیادہ سخت و پُرمصیبت ہے، جتنا یہی نے سنا تھا۔ انہیں
ہم شیخ موصوف کے رسالہ سے اس سفر حق اور جہاد امر
با معروف کے داقعات نقل کرتے ہیں۔

وَرُوْدُ لِقَدَاد : شیخ عبد العزیز لیقداد پہنچے۔ اور بیان کے تمام
حالات معلوم کئے۔ سب سے پہلے مرحلہ یہ تھا کہ وہ کسی طرح
مامون المرشید کے دربار مکا پہنچیں۔ اور اس مسئلہ کے متعلق
امر بالمعروف کافر عرض ادا کریں۔ لیکن اس میں بڑی ہی مشکلیں بخیں
ہر قدم پر اس کا خوف لگا تھا۔ کہ کہیں مامون کے مقابلہ سے پہلے ہی
گرفتار نہ کر لئے جائیں۔ یا قتل کا فتویٰ نہ دے دیا جائے۔

وہ اللہ کی طرف جھکے، اس راہ میں اس کی نصرت غنی می سے
بدوچاہی۔ اور ایک خاص تدبیر کر کے جمیع کے دن جامع رصافہ میں
پہنچے ان کا چھوٹا سالہ کا بھی ان کے ساتھ تھا۔

جامع رصافہ میں کلمہ حق کا اعلان

نماز جمعہ ابھی تک ختم ہی ہوئی تھی، کہ لوگوں نے جبرت والجوب کے

سما تھے ایک عجیب واقعہ دیکھا، ایک شخص جو اپنی صورت اور بہاس سے مکہ کا باشندہ معنوں ہوتا ہے۔ پہلی صفت بین کھڑا ہو گیا ہے، ایک چھوٹا سا پیغام کے بال مقابل ایک سندوں سے پیدیٹھ لگاتے اس کی طرف نکرائے۔ اور یہ آواز بلند باہم سوال وجواب ہو رہا ہے :-

اعزیزی نے پیکار کر پوچھا:- میرے بیٹھے! فرآن کی نسبت تو کیا ہوتا ہے؟ پیچے نے پیکار کر جواب دیا:- کلام اللہ، منفرد، غیر مخلوق، اللہ کا کلام

ہمارا ہوا، غیر مخلوق!

آہ یہ چند لفظ تھے، جو ایک بچے کی زبان سے نکلے لیکن فی الحقیقت انہی کے اندر دعوت حق اور اہم بالمردوف کی ایک کائنات ایمان مخفی تھی، یہ وہ صداقتی، جس کے لئے اس وقت بغداد کا ایک ایک ذرہ پیاسا تھا۔ لیکن اس کی درود دیوار کو پرسوں سے لفڑیب ہنپیں ہوئی تھی، صدوف ایک بار اس جملہ کو کہہ دینا ہی وہ جہادِ عظیم تھا جس کی فضیلت کے آنکے ایک ہزار برس کی شب ہلے عبادت اور دوز ہلے چیام بھی کچھ خلائق تھے نہیں رکھتے تھے!

اس نے نہیں کہ خلق فرآن کا مسلم دعوت حق کی قوتون کے خرچ کرنے کے لئے سب سے بڑا صدوف تھا۔ اور اس لئے بھی نہیں کہ اس صدوف کے ایک بار بلدر ہو جانے سے وہ جبل خاتہ کھل جاسکتے تھے، جن کے اندر علماء حق محبوس تھے۔ اور وہ زنجیریں ڈوٹ جاسکتی تھیں، جو امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح کے پاؤں

بیں پڑتی تھیں، بلکہ صرف اس لئے کہ جبر و استیضاد غیر شرعی سے ایک کلمہ حق کو کہنا جرم قرار دے دیا گیا تھا۔ اور انسان کا ہاتھ بڑھ رہا تھا۔ تاکہ خدا کی کھوی ہوئی زبانوں کو بند کر دے، پس اس وقت زمین کے ہر اُس بستے دلے پر جو خدا کو جانتا اور خدا کے رشتہ کو اپنے دل میں رکھتا۔ فرض ہو گیا تھا کہ اس انسانی جبر کو تواریخ، اور خدا کی وفاداری کے لئے انسانی اطاعت سے سرکش ہو جائے۔

اس وقت برسوں کے کاموں اور صدیوں کے ارادوں کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صرف ایک ہی مقدس لمحہ کی چس کے اندر صدائے حق کی ایک نذر آواز بلند ہو جائے، اس ایک آواز کا بلند کر دینا ہی صلی کام تھا۔ اس کے بلند کروئے کے بعد یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے کام کیا کیا؟ حق کا کہنا جب جرم ہو جائے۔ تو حق کہہ دینا ہی سب سے بڑا کام ہے۔

اگر شیخ عبدالعزیز کتابی اس کے بعد ہی قتل کر دیا جانا، جب بھی اس کے نام کی عظمت کا ایک ذرہ بھی نہ گھستا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیہ وسلم افضل اچھا د فرمایا۔ سب سے زیادہ فضیلت اعلان کلمۃ حق علی سلطان دالا چھاد کلمۃ حق ہے جو کسی جا پر یاد شاہ کے مقابلہ میں کہا جائے۔

حاکم پولیس اور شیخ کی گفتگو!

اس سوال وجواب کی ایک ہی صدائے نام مسجد کے اندر تھلکہ
پیا دیا۔ لوگ جرأت سے دم بخود ہو گئے۔ اور جیران ہو کر ایک دہسرے
کا منہ نکلنے لگے، پہت سے لوگ بھاگے کہ اب کوئی بڑی ہی مصیبت
آنے والی ہے۔ لیکن شیخ عبدالعزیز بے خوف و ہراس اپنی جگہ پر کھڑے
تھے، اور ان کا لڑکا سامنے کے ستون سے ٹیک لگائے دوبارہ منتظر
سوال تھا!

تنے بیس کو توال شہر پیا ہیوں کی ایک جماعت لے کر مسجد
میں پہنچ گیا۔ اور شیخ عبدالعزیز احمد ان کے لڑکے کو گرفتار کر کے
ایپیے صبغہ کے رمیس اعلیٰ کے دفتر میں لے گیا۔ حبس کو آج کل کی
اصطلاح میں پولیس مکشفر کہنا چاہئے۔ اس وقت بغداد کا پولیس مکشفر
عمر و بن مسعودہ نہ تھا۔ دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی ।۔
عمر و بن مسعودہ پولیس مکشفر :- "کیا تم پاگل ہو ؟"
شیخ عبدالعزیز :- "نہیں"

عمر و :- "کسی نے تمہیں بہکایا ہے ؟"
شیخ :- "نہیں"
عمر و :- خود کتنی کرنا چاہتے ہو ؟
شیخ :- نہیں۔ الحمد للہ میں صبح العقل ہوں۔ اپنے ہوش و

حوالہ بین ہوں اور علم و معرفت رکھتا ہوں۔

عمر وہ کسی نے تم پر ظلم کیا ہے۔ تم مظلوم ہو؟
شیخ:- نہیں۔

عمر بن مسعود نے کوڑاں سے کہا۔ کہ اسی پوری تکرانی و حفاظت کے ساتھ میرے مکان پر پہنچا دو۔ سپاہیوں کی جماعت نے شیخ کو گھیر لیا۔ دو آدمیوں نے ان کے دونوں ہاتھ لپٹنے لپٹنے ہاتھوں میں لے لئے، اور پولیس کمشنر کے مکان میں داخل ہوئے۔

عمر بن مسعود (پولیس کمشنر) ان سے پہلے ہی مکان پر پہنچ گیا تھا۔ اور صحن میں ایک آہنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ایک نہایت ہی مکلف اور مطلقاً افسر پولیس کی وردی اس کے شیم پر نہیں۔ شیخ کو لپٹنے سامنے کھڑا کر کے اس نے ہزید تحقیق شروع کی۔

عمر وہ۔ تم کہاں کے رہتے والے ہو؟
شیخ:- مکہ مغطیہ کا۔

عمر وہ۔ آج مسجد میں تم نے جو کچھ کیا۔ اس سے تمہارا مفقود کیا تھا؟

شیخ:- طبیعت القربت الی اللہ ورجارزالزلقی لدیہ!
(اللہ کے قرب کی طلب اور اس کے رضا کی امید)

شیخ عبدالعزیز نے لپٹنے رسالہ میں یہاں "شوار" کا الفاظ لکھا ہے۔ شوار۔ سے مقصود وہ خاص لباس ہے جو اس زمانہ کے انزوں و پولیس کی سرکاری وردی ہوتی تھی۔

خمر و :- نہیں تھا رامقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس داقعہ کے ذریعہ شہرت حاصل کرد۔ اور چونکہ تم اس کے نتائج سے ناواقف ہو۔ اس لئے حماقت سے سمجھتے ہو کہ یہ شہرت وسیلہ رزق ہو جانے گی۔ اور لوگوں سے مال و دولت نوٹ سکوں گا۔

شیخ :- اگر اعلان حق کے سوا اور کوئی چیال میرے سامنے تھا تو وہ صرف یہ تھا کہ کسی طرح امیر المؤمنین کے حصنوں پر لپٹھوں۔ اور ان کی موجودگی میں اس مستملہ کی نسبت مدعاں خلق قرآن سے مناظرہ کرو۔

عمر و :- سبحان اللہ ! اس کی بھی آپ کو جہات

ہے۔

شیخ :- تم کو میری خواہش پر لتجب کرے سنے اور حقارت کی نظر دلئے کا کوئی حق نہیں۔ تم امیر المؤمنین کو سب سے بڑا سمجھتے ہو گے مگر میں خدا کو سب سے بڑا یقین کرنا ہوں۔

عمر و . اچھا یہی سہی ، پھر کیا تم تیار ہو کہ امیر المؤمنین کے دربار میں اس عقیدہ کو ظاہر کرے د۔ اور علماء سے مناظرہ کرو ؟

شیخ :- الحمد للہ اللہ کی حدستے بالکل تیار ہوں۔ صرفنا یہی ایک چیز ہے جس نے مجھے یہاں تک پہنچایا، اور میں نے دیدہ

و دالشستہ ایک ایسے شدید خطرہ میں اپنے آپ کو اور اپنے عزیز
بیچنے کی جان کو ڈال دیا۔ خدا کی مقدس کتاب کی عزت برپا
ہو رہی ہے۔ اور اس کی نسبت اُس بات کا اقرار لیا جا رہا ہے۔
جس کا اقرار خدا اور اس کے رسول نے نہیں لیا۔ مسلمانوں کی نبانوں
کو خدا نے کھولا ہے۔ مگر تم بند کر رہے ہو، اور بغیر کسی جرم و تصور
کے بندگان خدا طرح طرح کی تکلیفوں میں متبدل ہو رہے ہیں۔
پس یہ علم رکھتا ہوں۔ مجھے مشتعلیت کی معرفت خدا نے عطا فرمائی
ہے۔ میرا فرض ہے کہ اس غتنہ کے انسداد کی کوشش کروں۔
نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

عمرؑ۔ اچھی بات ہے۔ نعم امیر المؤمنین کے دربار تک پہنچا
دیئے جائے گے، لیکن اگر وہاں پہنچ کر تم نے اپنا کونی اور مقصد ظاہر
کیا اور شایستہ ہو گیا کہ اس مسئلہ کا انہمار محسن ایک پہاڑ
نکھان تو پھر؟

راس مسئلہ کے خلاف بحث کرنے کے لئے دوبار میں بجا تا
اس وقت ایک ایسی عجیب بات تھی۔ کہ کسی طرح عصمر و بن
مسعودہ کو اس کا لقین ہٹیں آتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ کوئی اور
ذائقی مقصود ہے دربار تک پہنچنے کے لئے اس مسئلہ کو وسیلمہ
بنایا ہے۔

شیخ ۔۔۔ اگر ابسا ہوا تو میرا خون تمہارے لئے حلال ہے۔

عمر وہ نہارے خون کے حرام ہونے میں تو مجھے اب بھی
شیبہ ہے۔ جبکہ تم امیر المؤمنین کے حکم کی اعلانیہ توہین کر چکے ہو۔
شیخ ہے۔ حکم صرف خدا اور اس کے قرآن کلہ ہے۔

عمر بن مسعود نے گھوڑا طلب کیا، اور کوتوال سے کہا کہ
میں دربار کی طرف جاتا ہوں۔ تم شیخ اور اس کے لڑکے کو
پاہیوں کے علفہ میں لے کر پیچھے پیچھے آؤ۔

شہر کی تمام خلقت ان عجیب و عزیب باب بیویوں کو
چیرت اور افسوس کی نظریوں سے دیکھ رہی تھی، جنہوں نے موت
کی تلاش میں بعداً کا سفر کیا تھا۔ اور اب اس کے منہ میں بھے خون
و خطر جا رہے تھے۔

راہ میں انہوں نے لوگوں کی آوازیں سنیں جو کہہ رہے تھے
”دارالخلافہ میں باہر کے مسافر زندگی اور راحت کے لئے
آتے ہیں۔ لیکن انہوں نے موت کے عشق میں اپنا گھر
چھوڑا۔“

کیا واقعی ان دونوں نے موت کے لئے بپنے وطن خارج
کو چھوڑا تھا؟

ہاں، مگر اس موت کے لئے چو تمام امتِ حرمہ کو
استبداد کی موت سے نجات دلا کر حریت حفظ کی زندگی سخن
والی تھی؛ بلکہ اجیاء وَ لِکِنْ لَا تَشْعُرُ وَ نَ

قصہ شاہی بفراد کے شرقی حصہ میں تھا۔ یہ مجمعِ دجلہ کو عبود کر کے ایوانِ خلافت تک پہنچا۔ اور عمرو بن مسعودہ شیخ کو کوتاں کی حفاظت میں چھوڑ کر خود اندر گیا۔ سچھ عوام کے بعد واپسی آنکھ شیخ سے کہا۔

میں نے تمہارا حال امیر المؤمنین کی خدمت میں عرض کر دیا کہ تم مسئلہ خلق قرآن کی نسبت اور علماء دارالخلافۃ سے مناظرہ سکرنا چاہتے ہو جو خلق کے قائل ہیں۔ امیر المؤمنین نے اسے منتظر فرمایا۔ پیر کے دن مجلس مناظرہ منعقد ہو گی۔ امیر المؤمنین خود بنفس نقیض شرکی مجلس ہوں گے۔ اگر پیر تک کے لئے کسی شخص کو اپنی صنماشت میں پیش کرو۔ تو تمہیں رہا کر دیا جائے۔ شیخ نے کہا۔ میں مسافر ہوں۔ کسی شخص سے یہاں جان پہنچان نہیں رکھتا۔ کہ اس کی صنماشت پیش کر سکوں۔ علی المخصوص ایسی حالت میں کہ ایک شاہی مجرم ہوں۔ میرے لئے کے پڑھی ہے کہ اپنی جانِ محیمت میں ڈالے گا۔

عمرو نے کہا۔ ”خیر ہم تم پر اعتماد کرتے ہیں۔ جب تم لپنے عقیدے میں ایک خیال کو حق سمجھ کر اس کے لئے ایسی پُرخطہ جرأت کر رہے ہو۔ یقیناً تم حجبوٹ ہنیں بول سکتے، تم جاؤ اور لپنے معاملہ پر غور کرو۔ اگر اب بھی تم اس جنون سے باز آجائو۔ تو تمہاری سافر پر رحم کر کے امید ہے کہ امیر المؤمنین

نہاری محل کی جرأت کو معاف کر دیں۔"

جنہارت حق کی پہلی برکت اور خدا کی نصرت کا پہلا
نظر و بیکھو۔ کہ افسر شاہی جو اس نے تھا کہ شیخ کو سزا دے
خود بخود اس پر اعتماد کرتا ہے۔ اور بغیر کسی کی صفائت نے
دھا کر دیتا ہے۔ لِنْ تَنْصُّ وَاللَّهُ، بِنِصْرٍ كَمَرَةً تَمَّ خَدَكَ
کلمہ حق کی درود کر دے گے تو خدا بھی تھاری مدد کرے گا)

منظرا کے دن

امون الرشید نے تمام علا، دارالخلفۃ کو پیر کے دن
درپار شاہی میں حاضر ہونے کا حکم دے دیا، شیخ عبدالعزیز
پیر کے دن قصر شاہی میں حاضر ہوتے ہے۔ تو کوتوال کو اپنا
منتظر پایا۔ وہ عمرو بن مسعود کے سامنے لے گیا، عمر دنے
دیکھتے ہی کہا:-

"آمید ہے کہ اب تمہیں غفل آگئی ہو گی۔ اور تم اس جزو
سے باز آگئے ہو گے۔ جس کا نتیجہ فتل کے سوا اور کچھ ہنسی ہے
تم امیر المؤمنین کے حکم و عقیدے کی اس سختی سے مخالفت
کرنا چاہتے ہو۔ اس کا نتیجہ تلوار کے سوا اور کچھ نہ دیکھو گے۔
اب بھی اس حافظت سے باز آ جاؤ۔ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ
معافی دلادوں گا۔ نیز شاہی انعام و اکرام اور جاگیر ریاست

سے تم مالا مال کر دیئے جاؤ گے۔ کیونکہ تمہارے اندر شجاعت
کا جو ہر موجود ہے:

لیکن شیخ عبد العزیز کے لئے یہ نام پائیں بے سُو و تھیں
انہوں نے کہا۔ "حق منظوم ہو گیا ہے۔ میں اسے پھر فائدہ کرتا
چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی زندگی کی پروابیں تو مال و جاگیر کا ذکر
کیا کر ستے ہو۔"

پردابیں دام پر مرغ دگرنا کہ عنہا را بلبند سنت آشیانہ
عمر جوش تاسفت سے کھڑا ہو گیا۔ اور کہا "افسوس نہیں
غربت پر اور صد افسوس نہیں تھا۔ بچے کی بیتی اور نہیں تھیں
بڑی کی بیوگی پر ما میں تھیں ہلاکت سے نکالنے کی کوشش
کر رہا ہوں۔ مگر تم ہلاکت کے عشق میں دیوانے ہو رہے ہو۔"
شیخ کی روح حق سے صدائے لفظیں اٹھی۔ "اللہ کی وہ
لہرست و اعانت جو ہر فحت اور خدمت گزاران حن کے لئے
ہے۔ مجھے کبھی بھی نہیں بھلا سکتی۔ اور اگر میرے لئے اللہ سے
انپی راہ میں موت ہی کھدا دی ہے۔ تو یہ شہادت ہے۔ پھر
شہادت سے بڑھ کر اور کون سی لعنت ہو سکتی ہے جس کا
ایک مومن کو ہٹت ہو۔"

عمر و نے جبیجا دیکھا کہ سمجھانا بیکار ہے، تو صحیت ختم کر دی
اور مامون المرشید کو اس کے آنے اور آمادہ مذاظر ہونے کی

اٹلاع دی۔ پھر شیخ کو ایک ایسی جگہ بُجھا دیا۔ جہاں تے ۵۵
تمام آنے والے لوگوں کو دیکھ سکے۔ اور کہا کہ اجتماع کی تکمیل
کے بعد تم حضرت شاہی میں طلب کئے جاؤ گے۔

شیخ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ عمر و کو میری ہلاکت کا
اس درجہ تقدیم نہیں۔ کہ پادجو و میری طرف مابوس ہوتے کے خبیث نہ
کر سکا۔ اور آخر میں پھر نصیحتاً کی ۔۔

قدح صفت علی خارصیٹ میں نہیں نجات و سلامتی
جهدی و انت حرس یص کے لئے وہاں تک کوشش کی جہانتک بیرے
علی سفل دملک جہد ل۔ امکان میں نہیں۔ مگر انہوں کہ تم اپنا خون
ذلت : بیا یحیی ! معوتۃ اللہ پہلے کے لئے حریص ہو۔ اور اس کے
اعظم والطف من ان ینسانی لئے اپنی پروری قوت سعی صرف کر رہے
و من بتتوکل علی اللہ فیه وحیہ ! ہو۔ میں نے کہا۔ لے عمر !
اللہ کی اعانت اس سے زیادہ بڑی اور مہربانی رکھنے والی ہے کہ مجھے
بھلا دے اور جسے اللہ پر بھروسہ کیا، اس کو خدا بس کرنا ہے !

مناظرہ کا اہتمام اور پہلی بخش واصلی دربار

مامون الرشید نے مناظرہ کی تیاری کے لئے خیرخوبی احکام
جاری کر دئے تھے، اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ ایک عجیب و

غیر مناظرہ تھا۔ اس لئے تمام امرا و رؤسا، علماء و فقہاء، اركان و وزاراء، افران فوجی و ملکی اپنے تمام سازو سامان جاہ و جلال کے ساتھ اس میں مشریک ہوتے کے لئے نکلے، عبدالعزیز کنانی نے ڈپورٹھی میں پہنچئے ہوتے دیکھا کہ انسانی جاہ و جلال اور سطوت ہبیت کے بڑے بڑے مناظر کے بعد دیکھے ان کے سامنے سے گزر رہے ہیں۔

وہ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں :-

عمر و بن مسعود نے مجھے ایسی حکم بھایا، جہاں سے تمام آئئے والوں کو اچھی طرح دیکھ سکوں۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ خاص امیر المؤمنین کے حکم سے ایسا کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ نھا کہ دوبار میں جانے سے پہلے ہی دربار کے جاہ و جلال کی ہبیت مجھ پر طاری ہو جائے۔ اور میں دیکھ لوں کہ کیسی پڑھیت و سطوت جمیع کے سامنے مجھے جانتا پڑے گا۔ اور آزادی و بے باکی کی زبان کھولنی پڑے گی؟ ایکن افسوس کہ وہ انسانی جاہ و جلال کے جلوے دکھلا کر ایسے شخص کی آنکھوں میں ڈر اور ہبیت پیدا کرنا پاہتے تھے۔ جس کی نگاہ ہوں کے سامنے رب استوت والارض کا لازدال جاہ و جلال موجود تھا، اور جو نگاہ خدا کی عظمت و قدر و ہبیت کے جلووں میں محو ہو چکی ہو، اُس کو انسانوں اور انسانوں کے قیمتی کپڑوں اور آہنی تلواروں کی قطار میں کیا

ڈر اسکتی ہیں؟"

میں حقیر گدا بیان عشق را کیس قوم شہان بے کرد خسر دان بے کھلہ اندر
 شیخ عبدالعزیز نے دیکھا کہ سب سے پہلے امراء بنو ہاشم
 کا گردہ نمودار ہوا۔ جن کے سیاہ عماموں کے طلاقی شملے ہوا میں
 اڑ رہے تھے، اور آنتاب کی روشنی میں ان کا سہری زنگ اس
 طرح درختندہ تھا۔ کہ بیکا ہیں زیادہ دیر تک نظارہ کی تاب
 ہنہیں لاسکتی تھیں۔ ان کی عباییں بھی سیاہ تھیں۔ جن کو خلعتار
 عبا سپہ نے اپنا فرمی بس قرار دیا تھا۔ اور عباوں کی سیاہی
 کے اندر سہری ساز دبراق اور طلاقی قبضہ و میان شہنشیر کی
 منتک چمک اس طرح نظر آتی تھی، گویا ابر آسود آسمان پر کلبیں
 کی مضطرب لہریں کوندر ہی ہیں۔

اس کے بعد علماء و فضلاء دار المخلافۃ کا مقدس جلوس تھا،
 جن کے بس اور ساز و سامان سواری میں اگرچہ سونے چاندی کے
 تکلفات نہ تھیں، اور ہر چیز سے سادگی اور سبے تکلیقی نیا یاں تھیں،
 ان کا غظیم الشان گروہ، غلاموں کے جلقے، خدام کا جاہ و حشمت،
 مذہبی زندگی کا مقدس جاہ و جلال اور پرہیبت و دقار چہرے
 بجاے خدا یک ایسی ہیئت رکھتے تھے، حوصلہ منعی تکلفات و
 آرائش کے ساز و سامان سے بے نیاز تھی، اس جلوس میں سبے
 پہلے بشر مریبی کی سواری تھی۔ جو اس وقت فرقہ مختارہ کا سبے

زیادہ نامور رہیں تھا۔ اس کے بعد دارالخلافہ کا قاضی الفضاظہ اپنے جاہ و حشتم ریاست کے ساتھ جلوہ آرا تھا۔ پھر تمام فضاظہ دارباپ افتاء کی جماعت تھی، ان کے بعد متکلمین و فقہاء اور ارباب درس و علوم کا سلسلہ۔ لیکن ان سب میں زیادہ نہایاں حصہ فرقہ معتزلہ کے علماء کا تھا۔ اور جو علماء معتزلہ میں سے نہ تھے۔ وہ بھی افلأً مسلم خلق قرآن میں سرکاری حکم کے آگے سراط اعتماد جنہکا چکے تھے۔

اس نظامہ نقدس کے بعد وزراء و ارکان سلطنت کا عظمت نظارہ تھا۔ ان کے عہدے بھی سیاہ تھے۔ مگر طلاقی شہزادی کی وجہ عواموں کے بالائی فتح پر ایک مطلحہ حاشیہ لگا تھا۔ اور اس احتیاط سے پیٹا گیا تھا کہ عوامی کا نصف زیریں قطر طاز شعاعیں کا ایک شہری دائرہ بن گیا تھا۔ ان کے گھوڑوں کے ساز و براق بھی مطلقاً تھے، اور شہری و روپوں سے مبسوں غلاموں کا شاندار حلقة ہرسوار کے گزوں پیش جلوہ فروشن عظمت و جلال تھا۔

اعیان حکومت کے بعد افسران فوجی کی سب سے زیادہ ممتاز رہنماؤں کی ہدایت تھی۔ جو اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ محل شاہی کی طرف آرہے تھے، اور ان کی پرہنہ ملواریں، روپاں سماں نیزے طرح طرح کے اسلحہ جنگ، ایک آہنی سمندر کی طرح مستلاطم نظر آتے تھے۔

شیخ عبد العزیز اس فوجی نظارہ دہشت کا ذکر کرنے ہوئے

لکھتے ہیں :-

وَرَكِبَ الْقَوْمَ بِالسِّلَاحِ
لَا هُدَىٰ لِلْهَدِيَّةِ فِي نَفْسِي
وَسَأَثِرُ النَّاسَ إِلَيْنَاهُ
نَّا كَمْ بِيَرْسَهُ دِلْبُر وَحْشَتْ وَهَبْيَتْ طَارِي
هُوَ جَلَّسْ - نِيَرَاسْ خِيَالْ سَمِّيَ كَمْ بِيَنْ يُونْ
نَّتْ حَكْمَ سَلَطَانِي كُوْتُوكُرْ أَكْرَأَكَرْ عَامَ رِعَايَا كَمْ
لَشَكْ أَنْ لَفْسَهُهُ -
اَنْدَرَ كَوْنِي مَقْدَرَانَهُ جَوْشْ پِيدَأَكَرْ دِيَاَهُ، تَوْسِيَيِي اَسْ فُوْجِي نَمَاشْ سَمِّيَ مَرْعُوبَ
هُوَ كَرْ دِبْ جَلَّسْ -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے یہ ساز و سامان ہفت
یونچ کو ڈراٹے ہی کے لئے ہبیں کیا تھا۔ بلکہ عام رعایا کے اندر مخالفانہ
جوش پیدا ہو جانے کا بھی اُبھے اندر لیتھا تھا۔ اس سے اندازہ
کر د کہ ایک سافر عرب بِ الْوَطْنِ اجنبی کی ہفت ایکساہی ہمدانے نے
مامون الرشید اعظم کی اُس حکومت کو جو فیصلہ قسطنطینیہ کو "ردم کا کن"

کہہ کر خطاب کرتی تھی، اور کتنے کی طرح عاجزی کی زمین لٹھادیئے
کی طاقت بھی رکھتی تھی، کس طرح لرزادیا تھا؛ اور کس طرح دگھیر آئے
اپنی فوجوں اور ان کی بہت سے موارد کی نمائش کر رہا ہے کہ ہبیں
اس عرب بِ الْوَطْنِ کی منقادیت میری مطیع رعایا کے دل سے
بیہری ہبیت نہ نکال دے ؟ -

بیہر اور زیادہ خور کر واور دیکھو کر یہ عبید الحزب نگر کون تھا؟ دُنیا
کی پادشاہت اس کے پاس کتنی تھی؟ نظرانہ و فوج بیہ سے کیا رکھتا

تھا؟ کتنے غلام اس کی رکاب کو تھامنے نہیں کرتے جعل اس نے اپنی آسائش کے لئے تعمیر کر کے نہیں؟

آہ! دُنیا کے ان تمام سامانوں اور دنیوی جاہ و جلال کی ان تمام نمائشوں میں سے تو اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ ایک تنہاماً سافر جس کو بغداد میں آئے چوتھا دن تھا۔ ایک طریب الظل فقیر جس کا شہر بھر میں ایک بھی ساتھی اور حمایتی نہ تھا۔ ایک اجنبی محض جس کے جسم پر مسکینی کے لباس اور غربت کی فقر نگانی کے سوا اور کچھ نہ تھا، یا اس کے پاس ایک ایسی طاقت نہیں جس کی فرمان روائی و ملوکی۔ کے آگے مامون المرشید کی بوری سلطنت بھی، پیغام بھی۔ اور جس کے چاہ جلال کے آگے اس کی وہ سطوت و ابہبہ بھی کچھ ہنسیں کر سکتی تھیں جس سے قیصر دروم ڈرتا اور شاہ فرانس لرزتا تھا۔ یہ طاقت نہ تو تخت شاہی کے اوپر پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ شہنشاہی کے عظیم الشان قصر دل اور محلوں میں اس کا گھر انسان کا ٹوٹا دل ہے۔ اور اس کا محل ایمان باللہ کی زندگی رُوح ہے۔ پادشاہ کا تخت جسم پر حکم کر سکتا اور لو ہے کی تلوار گردن کی رگوں کو کاٹ سکتی ہے۔ پر نہ تو اس طاقت الہی کے آشیانے کو اجاز سکتی ہے۔ اور نہ اس کی افیلیم سلطنت پر اس کی فرمان روائی چل سکتی ہے۔ وہاں ہرف خدا ہے۔ اس کا ایمان ہے، اس کے مکالمہ حق کی خروی ہے۔ اس کی صداقت درستی کی ملوکی ہے۔ اور حق و معرفت کے ایک ہی

فرمانِ عظیم کا حکم ہے۔
 اولئک کتب فی قلوب بهم یہی وہ راست بازان ہیں جن کے
 الایمان وایدہم بریح منہ دلوں میں اللہ نے اپنے ایمان کا نقش
 وجہ دیا، اسہا اپنی روح نصرۃ و فتح ندی
 سے ان کی مدد کی، لیں اب خوف و
 ہراس اور نما کامی و نامرادی ان کے
 لئے نہ رہی، دد ان کو بیشتوں کی بہشتی
 زندگی میں داخل کرے گا۔ وہاں باعث
 و چین کا دامنی عیش ہے۔ اور ہر وہی
 مظلوم ہو۔ (۱۳۰ - ۵۸۱)
 کی روائی کا نظارہ راحت اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ الحدیث سے راضی ہوتے یہ اللہ
 کی جماعت ہے۔ اور تقبیح کرد کہ السرکی جماعت ہی فلاح اور مراد پانے والی ہے۔

لیں شیخ عبدالعزیز کے وجد غربت و فلکت کے اندر جو ہمیت و
 اجلال پیدا ہو گیا تھا، اور جس نے ماں مون عظیم کو اپنی فوجوں کے مکالمے
 اور نلواروں کے چمکانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ شیخ عبدالعزیز کی
 ہمیت نہ تھی۔ جس کو نلوار کی ایک سطح حرکت دو گھنٹے کر دے سکتی
 تھی، وہ خدیلے عبدالعزیز کی ہمیت تھی۔ وہ حق پرستی اور ایمان
 اللہ کی تہاریت تھی، وہ جرأت ایمانی اور سطوت روحاںی کا نامہ
 انسیخ اجلال تھا، کمال فال فی المثلثوی۔

ہمیت حق است ایں از خلق نیت ہمیت ایں مرد صاحب اتنی نیت

فَلَا تَخَافُهُمْ وَحَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝

دَاخْلَه

جب تمام ارکان و شرکا ر صحابہ مناظرہ آپ کے، تو شیخ عبدالعزیز
کی بھی طلبی ہوئی۔ ایک کے بعد ایک متعدد دہلیزیں تھیں جن سے
شیخ کو گزرنا پڑا۔ سلطانی دہلیزیں کے مرحلہ کے بعد ایوان ہائے
خلافت کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ جن بیس سے ہر ایوان ایک پوری
نشہنشاہی کے ساز و سامان شوکت و ابہت سیئے معمور تھا، اور ہر
ایوان کے خاتمہ پر اس کا پہلا رہنماء رخصت ہو جاتا۔ اور نیا ہاتھ
اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی بہت
سے مرحلے آئے جن کی تمام جز بیات شیخ نے لکھی ہیں۔ اور ان
سے زیادہ خطیب بغدادی وغیرہ مورخین ہمدر عبا یسر کی روائتوں
سے واضح ہوتی ہیں۔ لیکن سرگزشت کا یہ تمام حصہ دولت عبا یہ
کے جاہ و جلال سلطنت کے کار غاؤں سے نعلق رکھتا ہے۔ مگر
ہم اس وقت مھنطہ بڑی کہ صحابہ مناظرہ تک جلد سے جلد پہنچیں
اور ان نقی حکومتوں کے جاہ و جلال کی جگہ ایک داعی حق کے
جاہ و جلال خداوندی کا حلہ دیجیں۔

صاحب الستر

یہاں تکہ کہ "صاحب الستر" یعنی رئیس حجاب کا بیوان خاص آگیا۔ عہد عیا سیہہ میں "صاحب الستر" کا عہدہ بالکل دیا ہی تھا میں آج کل بورپ میں (LORCHAMBAR LAWN) بھارت کی میں "وزیر تشریف" کا ہے۔ یعنی شاہی ملاقات و حضور کا منوم ط وسیلہ۔ اس کو " حاجب" بھی کہتے تھے۔ اور یہ فصر شاہی کا وہ آخری برزخ ہوتا تھا۔ جس کے بعد خلیفہ کے حضور میں کوئی شخص پہنچ سکتا تھا۔ اسلام نے جب خلیفہ وقت کے لئے کوئی محل ہی نہ بنایا، تو اس کے دروازے کے لئے دربان کہاں سے آتا؟ اس لئے خلفاء راشدین کا تمام عہد اس عہدہ سے خالی رہا، سب سے پہلے امیر معاویہ نے دہلی شاہی کی بنیاد ڈالی، اور شاہانِ عجم کی روائیں سُن کر حاجب کا عہدہ اس کے لئے قرار دیا۔

حاجب صحن دربار نک لے گیا۔ صحن کے دونوں جانب کروں کا ایک سلسلہ تھا جس میں محفوظ وزراء و نمائاء اذن حضور تک ٹھہر تے اور انتظار کرتے تھے، یہاں پہنچ کر شیخ سے حاجب نے پوچھا۔ "آپ کو وضو کے نجید کی خواہش ہے۔"

الاستیعاب میں حافظ عبد البر نے اس کی تصریح کی ہے۔ نیز تمام مورخین اسلام کا اس پر اتفاق ہے:

شیخ نے کہا۔ "نہیں۔"

حاجب نے کہا۔

تو قبل اس کے کہ آپ امیر المؤمنین کے حضور میں پہنچیں وو
رکعت نماز نفل پڑھ لیجئے۔

شیخ نے نماز پڑھی، اور حب نماز پڑھی تو یہ کہنا غیر ضروری
ہے۔ کہ کس عالم میں پڑھی۔ اور لپنے اُس خداوت قدوس
کے حضور میں کیوں نکر کھڑے رہے، جس کے لئے ختن کے لئے
عنقریب ایک انسانی شہنشاہی کے حضور میں جانتے والے نہیں۔

بکرم عشق توام سیکشند، خوغا یست

تو بیز بر سرِ با م آ کہ خوش تماشا یست

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُ وَمَا تُعْلَمُونَ۔

الپوان و ریار

اب پردہ اُنھا اور شیخ نے یکا یک دیکھا۔ کہ کرہ ارضی کے
موجودہ عہد کا سب سے بڑا شہنشاہ (امون اعظم) اس کے ساتے
ہے۔

یہ نگاہوں کو خیرہ کر دینے والا ایک آنتاب نصف النہار
تھا۔ جو یکا یک ابر کے نقاب سے باہر مکمل آیا۔ اور ایک غریب
لوطن اجنبی کے لئے بہت مشکل تھا۔ کہ پہلی نظر میں اس نظر۔

سے منائر نہ ہو ۔

تمام خدام و متعاقبین دربار کو چونکہ شیخ کے متعلق معلوم تھا کہ
یہ شاہی مجرم ہے۔ اور اس نے موجودہ عہد حکومت کا سب سے
بڑا گردن زدنی جرم کیا ہے۔ اس لئے انہوں نے چاہا کہ مان کے حضور
میں جس فدر سختی اور سبے احترامی اس کے ساتھ کر سکتے ہیں کہ بیں، اور
اسے محترم لوگوں کی طرح دربار میں نہ لائیں چنانچہ اس موقع کے
متعلق شیخ عبدالعزیز اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں:-

لے ماون الرشید نخت پر نہیں تھا۔ کیونکہ یہ مجلس مناظرہ تھی۔ اور ہارون
الرشید سے لے کر مقندر بالٹتک خلفائے عباسیہ کا یہی قاعدہ رہا۔ کہ
علمی مجالس میں سہیشہ مثل اور شرکاء مجلس کے فرش ہی پر بیٹھتے تھے۔ البته صدر
ایوان میں ہن کی جگہ اور مغربی بطلاقابین مخصوص تھا۔ ڈاکٹر جی۔ سلیمان
(SAIMON. G) نے ابو مکر خطیب بلدادی کی نارتھ مدبنۃ السلام کا ڈیکٹر
ایڈٹ کر کے چھایا ہے۔ اس میں ایک خاص عنوان خلفائے عباسیہ کی مجلس
علمیہ کے متعلق بھی ہے۔ اس میں ٹشرنچ کر دی ہے کہ ہارون اور ماون جب
کبھی کسی مجلس مناظرہ و محادثہ علمیہ میں بابت الحکمتہ میں آتے تھے، تو
عام علماء و حکماء کی طرح خود بھی فرش پر بیٹھتے تھے۔ اور ماون کا تر
یہ حال تھا۔ کہ با اوقات اپنے معتمر علماء کو صدر میں اپنی جگہ
دے دینا تھا۔

فَازَ أَخُوهُ الْمُسْتَرُ وَأَخْذَ الرِّجَالَ
 بِيَدِهِ وَحَمِنَدَهُ، وَجَعَلَ
 افْوَامَ أَبْيَانِ يَهُودَ فِي ظَهَرِي
 وَعَلَى رَقْبَتِي وَطَفْقَوَ ابْعَدَ دُونَ
 بَلْ فَنْظَرَ لِي الْمَأْمُونُ وَأَتَاهَا سَمْعَ
 صُوْنَتَهُ "خَلُوَاعْنَدَ" وَكَثْرَالضَّجِيجَ
 مِنْ الْجَابِ وَالْقَوَادِ بِشَلَ ذَلِكَ
 خَلُوَاعْنَى وَقَدْ كَانَ بِتَقْوِيرِ عَقْلِي
 مِنْ شَلَ نَذَادِ الْجَنْدِعِ وَعَظِيمَ
 هَارَابِتَ فِي ذَلِكَ الصَّحْنِ
 مِنَ السَّلَاحِ، وَهُوَ مَدْءُونٌ
 الْصَّحْنِ وَكَنْتَ قَلِيلَ الْجَمِيْنَ
 بَلْ أَرَأَيْتَ أَطْوَهَنِينَ، مَا
 لَأَعْلَمُ بِعَصَا قَبِيلَ ذَلِكَ ذَلِكَ
 أَبْيَانِيْكَ اسْنَادَيْكَ
 اسْنَادَيْكَ اسْنَادَيْكَ اسْنَادَيْكَ اسْنَادَيْكَ

پر دہ ہٹا اور خدام بارگاہ نے میرے
 ہانخوں اور بازوں کو پکڑ لیا، دُہ
 اس طرح مجھ پر ڈٹ پڑے کہ ان کا ہاتھ
 میرے سینے پر تھا۔ اور ایک کا ندھر پر
 انہوں نے اس طرح سختی اور بے حرمتی
 کے ساتھ چاہا کہ مجھے اندر لے جائیں
 مگر اسی وقت مامون الرشید کی
 بُنْخَلُوَا عَنْيٰ وَقَدْ كَانَ بِتَقْوِيرِ عَقْلِي
 "لَسَيْ جَهْوَرَ دُونَ" مامون کے کہنے کے ساتھ
 آذاز سُئی کہ دُہ کہہ رہا ہے۔
 "لَسَيْ جَهْوَرَ دُونَ" مامون کے کہنے کے ساتھ
 من المسلح، وَهُوَ مَدْءُونٌ
 الْصَّحْنِ وَكَنْتَ قَلِيلَ الْجَمِيْنَ
 بَلْ أَرَأَيْتَ أَطْوَهَنِينَ، مَا
 لَأَعْلَمُ بِعَصَا قَبِيلَ ذَلِكَ ذَلِكَ
 أَبْيَانِيْكَ اسْنَادَيْكَ اسْنَادَيْكَ اسْنَادَيْكَ اسْنَادَيْكَ

میرے ہوش روحاں پر نہایت اثر ڈالا، اور قریب ہوا کہ شدت ہراس
 اور ہدایت نظارہ سے میری عقل متغیر ہو گئے۔ اور میرا حال یہ تھا کہ تم

تو کبھی اس سے پہلے میں نے محل شاہی کو دیکھا تھا، تھے کبھی اس میں قدم رکھا تھا میری معلومات بھی امیر الامونین کے دربار کے تعلق ہوتے تھے۔

- اتھی -

علام ع الحق کے اس صدق بیان اور راستی فطرة کو دیکھ کر شیخ عبدالعزیز کس طرح صاف خود اپنے قلم سے کمزوری کی سرگزشت لکھ رہے ہیں۔ جو اس موقع میں ان سے ظاہر ہوئی۔ اور اس دربار میں پہنچ کر جس کے جلووں نے قیصر روم کے ایمپری کو لپٹے عہد نشانہ میں بھی بہوت والا یعقل کر دیا تھا۔ وہ باوقال نکاح اپنے ضبط و تمکین کو فاقہم نہ رکھ سکے؟

۱۔ المفتدر بالله عباسی کے زمانے میں قیصر روم نے بعض معاملات کے انجام دینے کے لئے ایک سیفربھیجا تھا۔ جس سے خلیفہ موصوف نے "قدھر حسنی" میں ملاقات کی تھی۔ اس ملاقات کی تفصیلی حالت خطیب البغدادی نے اپنی تاریخ میں درج کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ سیفربلیز میں قدم رکھنے ہی بالکل بہوت ہو گیا۔ ساز و سامان سلطنت دیکھ کر اُس کے ہوش دھراں میں آ جاؤں۔

اللَّهُ أَكْبَرُ الْقَلَابِ زَمَانَةَ كَيْ بَيْرَنْگَيَاںِ ! ایک زمانہ وہ تھا کہ روم کا سفیر ہما یے دریار میں آتا تھا۔ اور ہماری عظیمتون کو دیکھ کر ہوش ہو جاتا تھا۔ اُن خود ہم بغیر دل کے ساز و سامان کو دیکھ کر شدت مرعوب بیت کو دیکھ کر ہوش ہو جاتا تھا۔

بہر حال شیخ کو حجاب کے جرد قہر سے نجات ملی۔ اور دربار کے دروازہ سے چند قدم آگئے بڑھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مامون الرشید کی آواز برابر میرے کا نوں میں آرہی تھی۔

"دخلوا و فربوكا" اسے اندر لاو۔ اور مجھے سے قریب کرو چنا پا۔ وہ بلا تامل آگئے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس خبر کی زمین کے سب سے بڑے پادشاہ کو اپنے سامنے دیکھا۔ اور بغیر کسی محیر و انجاء کے آزاداز لمبند کہا۔ "السلام عليك يا أمير المؤمنين ورحمة الله وبركاته" مامون نے جواب دیا۔ "وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته" اور ساتھ ہی ایک لمحہ تک سر سے لے کر

آن خود ہم غیر دن کے ساز دساز دن کو دیکھ کر ثابت مرعوبیت سے بے غفل و عواس ہو گئے ہیں۔ اور ان کو طاقت کا ایک دیوتا سمجھ کر اللہ کی طرح پونج رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمیت دہراں کے سوا کبھی خود ادا نہ احساس کا ایک لمحہ بھی ہمیں بیس رہیں تھا۔

آگ نئے ابتدائے عشق میں ہو گئے خاک انتہا ہے یہ!

آگ کے شعلے بجھ جاتے ہیں۔ لیکن راکھ کے ڈھیر میں چنگاریاں دبی دیائی باقی رہتی ہیں۔ اور ہوا کے ایک جھونکے سے بھر ک اٹھتی ہیں۔ پھر کیا اس پوچھ لیے کی چنگاریاں کبھی نہ بھر کیں گی؟ کیا طوفان حادث و تغیرات کا کوئی جھونکا ان پر سے ہنیں گزرے گا؟

وهو الذى ينزل العجائب من بعد ما فتنطوا و هو الولى الحميد۔

پیر تک اُن کو دیکھنا رہا۔ اس کے بعد کہا۔ ”اور آگے آؤ۔“ شیخ بڑھے، پھر کہا ”آگے آؤ۔“ شیخ اور آگے بڑھے، تیسرا مرتبہ پھر اسی حکم کو دہرا�ا۔ شیخ بالکل فریب چلے گئے۔ صاحب الستر بھی ساتھ تھا۔ اور تبدیل نج اُن کو آگے بڑھانا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان میں اور مامون الرشید میں صرف اتنا فاصلہ رہ گیا کہ دو آدمی درمیان میں بیٹھ سکتے تھے، شیخ اپنی جگہ پا کر بیٹھ گئے۔ مگر اب تک ان کے دل میں ہمیت و رُعب کے اثرات باقی تھے۔

صاعقه حق کی پہلی لگن

شیخ جو نبی اپنی جگہ میٹھے ایک طرف سے صدا آئی۔

اس کے لئے تو صرف اس فذر کہ دینا کافی نہیں کہ قبح اللہ و حجاح دعربی میں نذلیل و تحقیر کی ایک گالی ہے، خدا کی فسم میں نے اپنی پوری عمر میں کسی شخص کو اس قدر بد صورت نہیں دیکھا۔

شیخ لکھتے ہیں کہ میں نے اس آواز کو سُنا۔ لیکن اب تک میرے دل میں ہمیت و ہراس کا خوفڑا بہت انہر باقی تھا۔ اس لئے میں حاموش رہا۔ حتیٰ کہ کہنے والے کی طرف میں نے نظرًا ہٹا کر دیکھا بھی نہیں۔

اس کے بعد مامون الرشید کی طرف متوجہ ہوا۔ اور شیخ کا نام، خاندان، ابو بیت، ہدایت، فتحیلہ، وطن، محلہ، مکہ معظمه کے

بنوہاشم کے حالات، اور اس قسم کی بہت سی بائیں دریافت کیں جن کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد گہما۔

"تمہارا بعداد میں آنا اور جامع رضا فہ میں کھڑے ہو کر میرے ایک حکم دینی و مشرعی کو نوڑنا، اور خدا کی صفات میں دوسرا چیز شرک کرنا۔ اور سچھ مناظرہ کی خواہش کرنا یہ تمام حالات میں نہ ہوئے ہیں۔ اور اسی لئے علماء دارالخلافہ کو میں تے آج مدعو کیا ہے۔

شیخ کھتے ہیں کہ "مامون المرشید کا یہ جملہ کہنا کہ تم نے خدا کی صفات بلکہ دوسری چیزوں کو شرک کیا، میرے لئے رحمت الہی ہو گیا۔ مجد پر دربار کی ہدایت کا اثر اب تک باقی نہیں۔ مگر مسلمہ خلیفہ قرآن کی شبیت حب یہ قول باطل میں نے سُنا۔ تو معا دل کے اندر ایک آگ بھڑک آٹھی۔ اور دعوت حق کی غیرت سے میں معمور ہو گیا۔ ساری ہدایت و دہشت یک فلم کا فور ہو گئی اور میں دو بندوں جواب دینے اور امر بالمعروف کا فرض ادا کرنے کے لئے باخلی مستعد ہو گیا۔"

مامون کے جملے ابھی پرے ختم بھی نہیں ہوتے تھے کہ شیخ کی آواز بادل کی گزج اور بھلی کی کڑک کی طرح ابوان دربار میں گونج آٹھی۔ تمام اہل دربار اس بیازرت اور بے پا کی پرتو کتے رہے، مگر اس نے کسی کی پرداح نہ کی۔ اور جس طرح ایک معمولی اور خبر انسان سے کوئی خطا بہ کرنا ہے۔ کہ کہتی ہوئی آواز میں

تقریب شروع کی ۔

یا امیر المؤمنین ! میں ایک فقیرِ الحال طالب علم ہوں ۔ اپنے
وطن اور خانہ خدا کے مقدس جوار میں تھا۔ کہ میں نے خلیفہ وقت
کے مظلوم و جیز کی درد انگیز سرگزشت سنی۔ بچھے معلوم ہوا کہ حق
مظلوم ہو گیا۔ سُنت کی روشنی بجھے گئی ہے۔ بدعت کی آندھیاں
زور شور سے چل رہی ہیں۔ حق کا کہنا جرم ہو گیا ہے۔ اور باطل پرسی
کے صلم میں جادو خرست کی بخشش ہو رہی ہے۔ جس چیز کا اقرار
خدا نے تعالیٰ نے اُنست مرحومہ سے نہیں کرایا۔ جس کی کوئی
اس کے رسولوں نے نہیں دی۔ جس کا اعلان خلفاً نے راستہ لیا
نہیں کیا۔ جس کی خلافت طریقہ ثبوت پر نہیں۔ اور جس کے لئے کسی
ایک صاحب رسول اللہ کی زبان کو بھی حرکت نہیں ہوئی۔ اس چیز
کے اقرار کو آج ایک انسان ہر مدن کے لئے شرط قرار دے رہا ہے
جو ہارون الرشید کے گھر میں پیدا ہوا اور وہ ہادی کا رکھ کا نہ
امس نے نہ نذراً بعین کو پایا نہ اصحاب رسول اللہ کو دیکھا۔ نہ عہد
ثبوت کی بہ کتوں میں اس کا کوئی حصہ ہے۔ ناہم وہ شریعت الہی
کے اس بخوبی راز کو جانتا ہے۔ جس کو نذراً بعین نے نہ جانا۔ اگر جس
دنیا سے موت گئے، بمحابہ نے نہ جانا۔ اگرچہ کفر کی چھینٹ کھی ادا
پڑے نہ پڑے ہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے کچھ نہ
کہا۔ حالانکہ صاحبِ عجیز سالم تھے۔

شیخ عبدالعزیز اب دہ عبدالعزیز نہ تھا جس کو سعید بن مسعود نے کوتولی بیس لپنے سامنے کھڑا کیا تھا اور جو دربارِ مامونی کے دروازہ بیس قدم رکھتے ہی اس کی ہمیتِ رجال سے لرزائھا تھا۔ اب وہ ایک دوسری ہی رُوحِ حق تھی۔ جو دنیا کی تمام جسمانی طاقتیں اور عظمتیں سے ارفعِ داعلی ہو کر صرف رب السموات والارض کی قدوسیت سے فیضیا بِ جلال و قہاریتِ محضی، اور مامون الرشید اگر تمام کرہ ارضی کی بکھری ہوئی طاقتیں کو پیچ کر کر کر چڑھے لے آتا، جب بھی اس صدائی کی گرح کی تاب نہیں لاسکتا تھا!

شیخ کے جوش و خروش، بے باکانہ طرزِ بیان، مساویانہ مقابلہ اور منگلا مہ ساز آواز کی ہولناکیوں نے اس تمامِ مجمع کو اس طرحِ دم بخود کر دیا۔ کہ (حسب تشریحِ شیخ) کسی کو روکنے یا توکنے کا ہوش نہ تھا۔ حتیٰ کہ حب اہوں نے خود مامون الرشید عظم کا اس خفارت کے ساتھ ذکر کیا۔ جب بھی نہ ان حجاب و خدام بارگاہ کی تلواروں کو حرکت ہوئی۔ جو اسے دھکیلتے ہوئے دربار میں لا رہے تھے۔ اور نہ ان امرا اور روساء کی زبانیں ہیں، جنہوں نے اس کے کم رو چھرے کی خفارت کی تھی: **أَلَا إِنَّ أَوْلَيَاَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَجِدُونَ**

شیخ نے اپنی تقریبہ جاری رکھی ۔

آہ تم ہوا کا وہ حجہونکا ہو جس سے شریعت کی آگ تو نہ روشن
 ہو سکی۔ مگر اُس نے سُنت کے چراغوں کو گل کر دیا۔ تم سیلا ب
 خلصت کی وہ رد ہو، جو بدعت و محدثات کی خس و خاشاک کو
 تو نہ بہا سکے مگر اس نے خن پرستی کے تنا در درختوں کو گرا دیا
 تم امارت و سیادت کی وہ تلوار ہو جو بطلان و ناخن کوشی کی
 فوجوں کو نونہ قتل کر سکے۔ پس اس نے ارباب خن کے سروں کو
 اپنی پُرش و روانی کا نخنہ مشق بنایا۔ اب تک نہیں ادعویٰ رسول
 کی جانشینی کا رہا تھا۔ مگر اے امون بن ہارون! تو اب رسول
 کی جانشینی ہی کا ہنسی ملکہ رسول سے زیادہ خن رسالت کا مدعا
 ہو گیا ہے۔ رسول خدا نے امت سے اس کا اقرار کیجی
 ہنسیں کرایا، کہ وہ کلام اللہ کو بغیر مخلوق کہیں، مگر تیرے غریب
 کوئی شخص مسلمان ہنسیں ہو سکتا جب تک وہ بطلان کے اس
 کلمہ پر ایمان نہ لائے تو نے صرف اس جرم پر کہ ارباب خن نے
 صراط مستقیم سے انحراف نہ کیا جو خدا کے رسول اور اُس کے
 نزیبت یافتہوں نے ان کے آگے کھول دی ہے۔ لپیٹے جبر و
 جور کی تلوار میبان سے کھینچی، اور انہیں کا قرول کی طرح
 قید خاتوں میں قید کر دیا، رسول اللہ کی سُنت کے اتباع
 کے لئے تیرے پاس سزا و عقوبت ہے۔ اور بدعت و ضلالت
 کے لئے پیشوائی و سیادت کی عزت! خدا کے رسول نہ ذمیوں

کو امان دی ہے۔ مگر یہری خلافت میں مسلمانوں کے لئے امان نہیں ہے۔ اے مامون! اللہ سے ڈر، اس کے عذاب کی پکڑ سے کافی جس میں بہت ڈھیل ہے۔ مگر جس سے کبھی چھپتا را نہیں۔ وہ زبان کے انہمہ و خلفاء کو تلوار بخشتا ہے۔ تو ان سے چھپنی بھی لینتا ہے۔ تم سے پہلے دمشق کے انہمہ جو رنے مسلمانوں کا خون مبارح کیا، مگر نہتار سے باخنوں ان کا خون بھی مبارح کیا گیا۔ ایسا نہ ہو کہ نہتار ان خون بھی کسی کے باخنوں مبارح کیا جائے، تم ان کے خخت کے دارث ہوئے ہو۔ مگر ان کے جور د طفیلان کی وراثت نہ لو۔

شیخ محمد العزیز نہجی کی بیانیہ

جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا۔ شیخ کا جوش و خروش بڑھتا جاتا تھا۔ سارے دربار پر ایک بیخودا نہ ہیبت طاری اخفی کو جوں کی فشاریں جس کے ڈر لئے کے لئے نکالی گئی تھیں، امر اور وسا کا پر عظیت جلوس جس کی زیان کو گونگا اور عقل کو معطل کر دینا چاہتا تھا، خدام و حباب کی برہنہ تلواریں جس کو ہزار دینے اور ایک ادنیٰ اشارہِ ثابتی پر قتل کر دینے کے لئے چمک رہی تھیں اور جو ایک فقیر انحال اعلیٰ اور سیکس مجرم کی طرح بعداً دیکی اُتوالی میں کھڑا کیا گیا تھا۔ حق کی شہنشاہی کو دیکھو کہ وہی شخضی اُجھ مامون، عظم کے دربار میں اس طرح پادشا ہوئی کی طرع غضبناک ہو رہا۔

اور شہنشاہوں کی طرح حکمرانی کر رہا ہے، گویا بغداد کے تخت پر
مامون کی جگہ اس کو سُجھا دیا گیا ہے، اور ایوان دربار کے اندر
اور باہر بوجو کچھو ہے۔ وہ مامون الرشید اعظم کے لئے نہیں ہے۔
بلکہ عبد العزیز بن سعید الکنافی کے لئے ہے؛
اور چھر دیکھو کہ ان چند محوں کے اندر کوئی چیز بھی نہیں
بدلی۔ وہی مامون ہے۔ وہی اُس کا تاج د تخت ہے۔ وہی
اس کے ارکان وزراء ہیں۔ وہی فوجیں ہیں، وہی ان کی ہے
نیام تواریں ہیں، وہی مجلس مناظرہ ہے، اور وہی عبد العزیز
کا جسم حفیر و وعد تھا، لیکن صرف ایک چیز بدل گئی ہے
یعنی عبد العزیز کا دل اور اس کی امیان و حق پرستی کی
روح الہی۔ اس ایک حقیقت کے بدلتے کے ساتھ ہی تمام
کائنات جسم و طاقت بیس بھی انقلاب عظیم ہو گیا۔ جو انسان قہر
کے لئے تھے، خود مقصور ہو گئے، جو زبانیں حکم کے لئے تھیں۔ خود
محکوم ہو گئیں۔ جو باتھ عتاب کے لئے تھے، خود معتوب ہو گئے۔ جو
آنکھیں سحر و ساحری کے لئے تھیں۔ خود مسحور ہو گئیں۔ اور جو نظریں
کسی سے سجدہ غواہ تھیں۔ اب خود ہی کسی عذرست اعلیٰ
ورفتگت کبریٰ کے آگے سے رسمیت ہو گئیں! ممن نہ الہ الا وہی
فلہ اسکل!

شیخ نے تقریب جاری رکھی اور خلافت اسلامی اور اس کے

فرانس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بکثرت قرآن حکیم کی آپاں اور احادیث کی تصریحات بیان کر کے دکھلایا کہ مسلمانوں کے امیر کو کیا ہونا چاہئے۔ اور خلفاء عبادیہ علی المخصوص مامون الرشیدؑ کے اعمال کیے ہیں؟ پھر انہوں نے خلفاء راشدین اور عامہ اصحابہ کے اتباع کتاب و سُنت اور اجتہاب بدعت و محدثات کا عال بیان کیا، اور لپٹے شیوخ حدیث کے سلسلے سے چند عذریں روایت کیں، جن میں خلاف راشدہ کے بعد فتنہ و فساد کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی تھی، اور بتلا بیا گیا تھا۔ کہ نئے نئے اعتقاد مسلمانوں کے سامنے لائے جائیں گے۔ اور ان کو کتاب و سُنت کی راہ سے مخرف کرنے کی کوشش ہوگی۔

شیخ نے لپٹے جن شیوخ سے روایتیں کیں، ان میں عبد اللہ ابن نبیر الہمدانی بھی ہیں۔ جو محمد بن عبد اللہ ابن نبیر الہمدانی اُستاد امام بخاری کے والد ہیں۔ نبیر عبید الزاق صفاری ہیں۔ جو حضرت امام احمد بن حنبل کے مشہور شیوخ ہیں۔

شیخ نے رسالہ میں اپنی پوری تقریر نقل کی ہے۔ جو پورے چار صفحوں میں آئی ہے۔ رسالہ کی جو نقل اس وقت پیش نظر ہے۔ وہ ندیکیپ کا غاز کی تقطیع پر لکھا گیا ہے اور ہر صفحہ میں ۲۰ سفر ہیں۔ لیکن سجوف طوالت نقیہ تقریر کو ہم نظر انداز

کر دیتے ہیں۔ تقریب کا خاتمہ ان القاط پر ہوا۔

”لے امیر المؤمنین خدا تعالیٰ نے ہم سے اپنے کلام کی نسبت صرف یہی اقرار چاہا ہے کہ وہ اللہ کا اُنوار اہوًا کلام ہے جس کو روح الامین نے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آنارا۔ اور اس کی زبان عربی ہے۔ جیسا کہ فرمایا وانہ لتنزیل رب العالمین نزل یہ روح الامین علی قبلک لتکون من اہنڈرین بلسان غلبی میعنی۔ اس نے کہیں بھی ہم سے اس کا اقرار نہیں کرایا ہے کہ تم قرآن کو مخلوق کہو۔ اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس چیز کو مسلمانوں کے لئے پیش کیا۔ جب کبھی کوئی کافر مسلمان ہوتا تو آپ اُس سے اللہ کی وحدائیت کا اقرار پیٹتے، اپنی رسالت پر گواہی دلاتے، اور اس کا ارجمند کی طرف دعوت دیتے، لیکن یہ نہ کہتے کہ قرآن مخلوق تعلیم کرو۔ پھر تمام اصحاب رسول اللہ کا بھی یہی حال رہا۔ اور باوجود یہ کہ ان میں سے بعض بدعتوں اور فتنوں کے آغاز تک موجود تھے، انہوں نے کبھی بھی اُس حد سے باہر فرم نہیں نکالا۔ جو قرآن و سُنت نے فراری دی ہے۔ پس لے امیر المؤمنین اتجھہ کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ امرت مرحومہ کے لئے رحمت ہوتے کی جگہ عذاب بننا چاہتا ہے؟ اور حبیت تک کوئی مومن قرآن کے مخلوق ہونے کا قرار نہ کرے۔ تیری نلوار سے نجات نہیں پاسکتا؛ واللہ کہ یہ بدعتوں اور فتنوں کا دہی سیلاں ہے۔ جس کے اہنڈے نے کی ہم کو خردی گئی تھی مگر اہوں اور بدغذیوں کا یہ تمام گروہ جو تیرے گرد جمع ہو گیا ہے اور تجھے کو صراطِ منتقیم سے

کھسکار ہا ہے۔ کیا تیری نظر میں ان کی دلپیوں کی اس سے زیادہ وقعت ہے۔ جو رسول اللہ اور ان کے اصحاب کو خدا نے دی ہے؟ اگر توجہ اور عدل یہی ہے۔ اور خدا کی تمام صفتیوں سے اشکار کئے بغیر کوئی مومن ہوتا ہو سکتا۔ تو کیا وہ سب کے سب مومن ہے تھے۔ جو اگر مومن نہ تھے تو خود ہمارا ایمان بھی پاتی ہیں رہتا۔"

اس کے بعد انہوں نے جہنم بن عدقوان کا ذکر کیا جس نے سب سات پہلے خلق قرآن ہر نفی شبات کی بدعت ایجاد کی اور اپنے اساتذہ کے سلسلہ زدایت سے بیان کیا۔ کہ بعض بقیہ صحابہ نے کس طرح اس قول پر اظہار خشم کیا۔ اور اس کو ایک بہت بڑا فتنہ فراز دے کر مسلمانوں کو احتساب و احتراز کی وصیت کی۔ بھر کہا:-

"صرف امر بالمعروف و نهى عن المنكر کا فرض تھا۔ جس نے مجھے بیہار نکل پہنچا دیا، اور الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو حق کار فیق اور خدام حق کا دلی ہے مجھے تیری مجلس میں پہنچئے اور فرض حق ادا کرنے کی تو قیمت دی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اگر حق ہے تو اس کی تصدیق کر، اور ان مفسدوں کا ساتھو حجہ دیں۔ جو نوجہد کے نام سے شرک و ضلالت پھیلا رہے ہے۔ اگر حق نہیں ہے۔ تو اس کے بیٹل ان پر کتاب و سنت سے دبیل لالا، اور جو کو حجہ لانا تاکہ میں اُس پیغمبر کے حق ہونے کی راہ پا سکوں، جس کو سلف میں سے کسی نے بھی نہ جانا۔ یہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی سنت اور ان کا طریقہ ہے کہ انہوں نے حجت پیش کی اور منکرین سے حجت طلب کی، لیکن

اے امیر المؤمنین ایک سُنّت ان لوگوں کی بھی ہے جنہوں نے راہِ حجت
 و بہان میں اپنے کو ناکام پا کر جور و قہر کے دامن میں پناہ لی تھی۔ اور کہا
 تھا کہ حرقوہ و انصاص و الہتکم ان لئے تم فعدیں۔ اب راہیم کو آگ
 میں علاحدہ اور اس طرح اپنے معبودوں کی جماعت کر جن کے معبود ہونے
 پر کوئی حجت و دلیل نہیں لاسکتا۔ ان لوگوں کے پاس اپنے اعتقاد
 کی نصرت کے لئے حجت و دلیل نہ تھی، اس لئے وہ حضرت ابراہیم
 پر جور و قہر اور ظلم و ستم کر کے اپنے اعتقاد کو منصور و فتح مند کرنا چاہتے تھے،
 پس اگر دلیل و حجت کی وسعت کی وجہ قہر و ظلم کی سُنّت پر تو عمل کرے
 گا۔ تو یاد رکھ کر یہ ملت ابراہیم کی سُنّت نہ ہوگی۔ ملت نمرودی
 کا انتصار ہو گا۔ یا ایں ہمہ پیر و ان ابراہیم علیہ السلام اس کے لئے بھی بیار ہیں
 اور تو دیکھ رہا ہے کہ اگر یہیں ان کے لئے بیار نہ ہوتا۔ تو اس محابیں کا نہ ہو تھا۔
 یاد ہو گا کہ حبیبہ عبد العزیز در بار میں پہنچا تھا۔ تو ایک طرف
 سے آواز آتی تھی۔ "اس شخص کے لئے تو صرف بھی کہہ دیتا کافی ہے
 کہ فیکر اللہ و حیران" خدا کی شتم میں نے کسی شخص کو اس سے
 زیادہ بدشکل نہیں دیکھا۔ "شیخ نے بہ حجایہ سٹان تھا، مگر اس وقت
 ڈاموشی اختیار کر لی تھی، اب وہ اس طرف منوجہ ہوئے۔
 اور اے امیر المؤمنین! تو نے کہا ہے کہ میری خراہش ہناظہ
 کو پورا کرنے کے لئے آج کی مجلس منعقد ہوئی ہے۔ لیکن میں نے
 دربار میں آنے ہی سب سے پہلی آواز جو سُنی، اسی سے معلوم ہو گیا

کہ اس مجاز کے مناظرہ کرنے والوں کے علم و مُحْجَّۃ کا کیا حال ہے ؟ اور کچھ دلیلوں سے وہ حق کا مقابلہ کرتا چاہتے ہیں ؟ پھر کیا وہی لوگ مجھ سے مناظرہ کریں گے جن کے پاس سب سے بڑی دلیل بطلان حق کے لئے یہ ہے کہ مجھ کو خالق کائنات نے رنگ اور چہرہ اچھا نہ دیا ؟ اور میں ان کی نگاہوں میں جمیل و حسین نہیں ؟ لے امیر المؤمنین ! میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ یہ تمام نقش و نگار جو تیرے اپوان دربار کی دیواروں پر بنے ہیں ہیں۔ اگر خوش تھا نہ ہوتے تو اون کو ملامت کرنا یا ان کے صنایع اور صنائع کے قلم کو ؟ اگر تیری ملامت صنایع تک پہنچتی تو کیا میرے جسم و چہرہ پر اعتراض کر کے اہنوں نے صنایع کائنات پر ملامت نہیں کی اور اس کی صناعت کو ذلیل نہیں سُہرا ریا ؟ کیا یہی توجید ہے، جس کے یہ لوگ مدعی ہیں، اور جو کامل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اللہ کے کلام منزل کو مخلوق نہ کہا جاتے ؟ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جمال جسم اور حُسن غلقت عطا فرمایا۔ لیکن پادشاہ مهرتے جب ان کو قید خانہ سے نکال کر ملک و سلطنت عطا کی تو انہوں نے کہا: "اجعلنی علی خزانِ الارض اني حفيظ علیم"۔ لے پادشاہ اپنی سلطنت میر پُرداز کر دے۔ میں حفاظت کرنے والا صاحب علم ہوں۔ یہ نہیں کہا کہ .. لی حسن جمیل "مجھے سلطنت دے دے کیوں کہ میں حسین اور تقویٰ صورت ہوں :-

ماہون کی حیات

بیس جب تک تقریب کرتا رہا۔ ماہون اس طرح دلکشی لگائے
میری جانب نگران تھا، گویا پتھر ہے۔ جس بیس نے تو ارادہ پئے نہ لیج
اشنا۔ تقریب بیس کمی بار بیس نے دیکھا کہ اُس کی آنکھیں تر ہو گئیں تھیں،
اور تقریب تھا کہ اُن سے آنسو بہ نکلے۔ یہ حال و یکچھ کہ تمام اہل دربار
مشیر تھے، اور جیسا کہ وہ ماہون سے حکم قتل کے منتظر تھے،
تو انھوں نے دیکھا کہ شدت تاثر و حیات سے وہ خود ہی سمجھے
حال ہو رہا ہے۔ ان یاد میں سے پر شخص جیسا تھا و مہشستہ کو ہلاک
پوچھا۔ کہ جو ماہون مسلمہ خلق قرآن کے نئے قتل و سلبیہ کے
سواد و پچھے ہیں رکھتا تھا وہ کس طرح صامت و سماں تھجا
ہے۔ اور جو کچھ بس کہہ رہا ہوں سن رہا ہے؟ حالانکہ اللہ
کی نصرت حق سے بدلے خبر تھے۔ اور ہیں جانتے تھے کہ سب کچھ
اسی کے اختیار ہیں ہے۔ اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

ماہون کی تقریب

مشیخ صاحب جب تقریب تختم کر چکے تو ماہون الرشید کچھ
دیکھا خاموش رہا، پھر کہا
لئے عبد العزیز؛ اللہ تجھ پر حرم کرے۔ تو نے جو کچھ کہا میں

لے سنا، اور جن جن چیزوں کو تو نے میری طرف نسبت دی، ان کے لئے میں نے اپنے نفس کا اختساب کیا۔ الحمد للہ کہ میں ان سے برمی ہوں، میں بندگان خدا پر ظلم کرنا چیزیں چاہتا۔ بلکہ ان کو حق اور توحید کی طرف بلا ناہوں جس کو دلیل دبرہاں اور کتاب اللہ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے، یا میں ہمیں کہ میرا حلم میسر غصب پر غالب آئے گا۔ اور خدا کی قسم، میں تیری اور سختی اور درستی کی وجہ سے اپنا انتقام تجھ سے نہ لوں گا، بلکہ تیری دلیلوں کو سنوں گا۔ اول تیرے براہین کو وزن کروں گا۔ مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ توحیق کی غیرت رکھتا ہے اور اس کے لئے بے باک ہے۔ تو نے لپٹے، گھر کو دیبا کے لئے نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس چیز کے لئے چھوڑ جس کو تیحقیق کرتا ہے پس تیری حیث حق اس کی مستحق ہے۔ کہ تیری عزت کی جائے۔ اور تیری کوئی سختی مجھ کو اس اعتراف سے نہیں روک سکتی۔ میرا تیرا معاملہ اب صرف حق باطل کا ہے۔ اگر تیرے پاس حجت ابراہیمی ہے۔ تو پیش کر جس کی پیروی کے لئے تو یہاں تک آیا ہے، اور جب تک تو قرآن کی اس شہادت اور عقل صریح کی اس لسلی کو نہ چھپا دے۔ جو قرآن کو مخلوق دنابت کرتی ہے۔ اس وقت تجھے حق نہیں ہو کہ اپنے آپ کو حجت ابراہیمی کا پیروٹ ثابت کرے، حجت ابراہیمی یہی کہ جب منکر خدا نے اس سے جھگڑا کیا، تو حضرت ابراہیم نے کہا۔ اللہ سودج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تجھ کو اس سے انکار ہے تو منکر سے نکال دیکھ۔“ یہ حجت ایسی تھی جس کو عقل نے پیچانا اور مشاہدہ و حس نے اس پر گواہی بنگی، پس تو یہی حجت تلا۔ اور صاحبان علم و حج سے مناظرہ کر۔“

وقد جمعت المخالفين لک
لتناظرهم بین بیانی و آکون
انا الحكم بینکم، فان بتین
المجۃ لک علیهم و الحق
معاً تتبعناك، و ان تکن
المجۃ لهم علیک عاقبتناك
ہوگئی اور حق تیرے ساتھ ثابت ہوا۔ تو ہم تیری پر بندی کر دیں گے، اور اگر توجہت
نہ لاسکا۔ اور حق نے تیرے مخالفین کا ساتھ دیا۔ اور پھر تیرے لئے اس کی
سترا ہے۔

آغاز مناظرہ

شیخ نے مناظرہ کے لئے پوری آمادگی ظاہر کی، اندما مدن نے بشر
مری رئیس مقرر لہ عبد کو حکم دیا کہ مناظرہ شردع کر دے۔
بشرابی جگہ سے اٹھ کر مامون کی نشست کے فریب کیا، اس
کی تمام جماعت اس کے ساتھ بھتی۔ مامون نے خود ہی نیصلہ کر دیا تھا کہ
ویل بشر پیش کرے گا۔ اور شیخ جواب دے گا۔ خارج از موضوع کوئی
بات نہیں کی جائے گی۔ دلائل کا نام دار و مدار صرف قرآن کی اندر مدنی
شہادت پر ہو گا۔ اور ہر فرقی پورے سنباطہ سکون اور کثا دہ دلی کے
ساتھ مخالف کی تقریر سنئے گا۔ مامون نے دونوں فرقی کو مخاطب کر کے

اس بارہ میں جو تفسیر کی، وہ نہایت وقیع ہے اور گویا آداب مناظرہ پر ایک
بہتر ہے دل سے ہے۔ جس قدر حقدہ شیخ نے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے۔ ہم کسی
دوسری صحبت میں اس کا ترجمہ کریں گے۔

ابدا مناظرہ شروع ہوا۔ بشریے بعد ویکھے قرآن حکیم کی آئندہ
پیش کرتا۔ اور شیخ اس کا جواب دیتے۔ پھر ردود جواب کا سلسلہ
جاتی ہوتا۔ شیخ زیر الدین بحدوت تمام مناظرہ نقل کیا ہے اور پوری شرح
و لبسط اور الفضافت و عدالت کے ساتھ فنا فن کی تمام دلیلوں اور
تفسیریہ دل کو قلم بند کیا ہے۔

افسرس کہ ہم اس مناظرہ کو نقل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ بہت طول
ٹیکا ہے اور رسالہ کے ادراق کا بڑا حصہ اسی پر مشتمل ہے۔ بیرون زیادہ
انحراف علمی و لائل و مباحثت سے تعلق رکھتا ہے جس کے مطالعہ
میں خاص قابلین رسالہ کے لئے کوئی دلچسپی نہ ہو گی۔ عوام جو دلائل کتبی
کلام و عقائد و احکام و میں مستعملہ قدم و خلق قرآن کے متعلق نظر
آئنے لیں۔ وہی شریعین کی طرف سے پیش ہوئے اور موجودہ صحبت
کا موضع مستقر خلق قرآن نہیں بلکہ علمائے سلف کے اصر بالمعارف
و نہیں عن المنکر کا ایک انتظام و رکھانا ہے۔

بشر مریضی کی طرف سے جسی قدر آئنیں قرآن حکیم کی پیش کی جاتی
ہیں۔ اس کے جواب میں خود قرآن ہی سے عبد العزیز اشتفیا دلاتے۔
اور انہا بست کر دیتے کہ ان آیات کو خلق قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔

اُسی سلسلہ میں حروف و اصوات کی بحث نکل آئی۔ حجۃ بن صفوان نے اگرچہ لفی صفات کی بنا پر خلق قرآن کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن بشر مریسی کا اعتقاد اشاعرہ کے اعتقاد سے اُفریق تھا، مگر زیادہ تر تحریف و اصطلاح عربیہ کے حدود و خلق پر نظر دیتا اور کلام اُمّہ اور قرآن عربی "بین تفرقی" کے اس قرآن کے خلق و حدیث کو قطعی فرار دیتا۔ جو عربی زبان میں ہم پڑھتے اور سمجھتے ہیں لیکن شیخ عبدالعزیز نے ثابت کیا کہ جو قرآن آتا گیا وہ عربی میں تھا۔ جیسا کہ جایجا شریا یا ملنا انزوا کہ قرآن عربی یا کہا بلستاری میں وہ چیزیں عربی زبان میں اندری محتی اگر عربی محتی تو قطعاً عربی کے حروف و اصطلاح ہی میں محتی۔ ان سے مجرد ہیں ہو سکتیں۔ اور دی کلام اللہ عربی میں آترا۔ اُسی کو رسول نے "ملادت کیا، اور وہی ہماری زبانوں سے بھی نکلتا ہے۔ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔"

فتح و شکست کا آخری میدان

سلسلہ بحث پڑھنا جاتا تھا اور حاموں کا یہ حال تھا۔ کہ کچھی شیخ کے حسن و جواب کی داد دیتا۔ اور تھی بشر کے استرال و استشهاد سے خوش ہونا۔ کہ پیکا یک بشر نے کہا:-

"بین اپنے اور تمام دنائل و برائیں کو خوبی چھوڑ دیتا ہوں۔ کیونکہ اس طرح روک میں کوئی نتیجہ نہیں نکھے گا۔ اب صرف ایک سوال کرنا ہوں اس کا جواب دو۔ تمام بحث کا ابھی خاتمه ہو جائے گا۔ اور حق کے اعتراف

کے بغیر نہ کوئی راہ نجات اپنے سامنے نہ پاؤ گے۔

یہ کہہ کر اس نے سوال کیا۔

”قرآن نے صدر ہا مقام پر اللہ کو خالق کل شیخ کہا ہے یا انہیں یعنی خدا ہر چیز کا خالق ہے؟“

شیخ نے کہا۔ ہاں وہی ہر شے کا خالق ہے۔“

بیشتر نے کہا ”ا۔ قرآن بھی شے ہے یا انہیں؟“

شیخ نے کہا۔ پہلے ”شے“ کی حقیقت سن لو۔ پھر جواب مانگو۔

بیشتر زیادہ ”بیز“ کہ بولا۔ میں اور کچھ سننا انہیں چاہتا، میسکے سوال کا

جواب دو۔ قرآن بھی ”اشیا۔“ میں داخل ہے یا انہیں؟“

شیخ نے پھر کہا۔ تمہارا اظر سوال ہی غلط ہے۔ اس میں دھوکا ہو

تم کہ چاہئے کہ عبیر و غبیر کے ساتھ پہلے یہ ری تقریب سن لو۔

بیشتر نے کہا ”تقریب بہت ہو چکیں، امیر المؤمنین کو نتیجہ مناظرہ کا انتظا

ہے۔ اب ادکسی تقریب کی ضرورت نہیں۔ تم میسکے سوال کا جواب دو۔“

شیخ نے پھر جواب سے اعراض کیا۔ اس پر بیشتر نے حامد من سمجھ کہا

”یا امیر المؤمنین! حاکم مکان غرض عدل و انصاف ہے۔ آپ حاکم ہیں۔“

اگر عبد الرحمن جدت رکھتا ہے۔ تو سوال کا جواب کیوں نہیں دیتا؟“

یہ حالت دیکھ کر محمد بن جہنم معجزی نے پکا۔ ظھر میں افسوس ھھر

کار لھوں۔“ بیشتر کے گروہ میں سے ایک شخص آٹھ کر کھڑا ہوا گیا۔ اول پیغی کر کہا

”امیر المؤمنین حماہ رائی و زلفی ہی طل۔ ان ایسا طل کا ذہر فنا۔“

شیخ عبد العزیز لکھتے ہیں۔ کہ خود بشر بھی اپنا جو شر و تھب نہ رک سکا
اور بار بار کہنے لگا۔ ”لکن قعد حماداً لشخ علی القدر“۔ یعنی پالا خوشیخ کا
گردھا پل دیکھ کر بھیج گیا۔ اول آگے نہ بڑھ سکا۔

شیخ کا اعراض دیکھ کر مجلس کو لفین ہو گیا۔ رہ شیخ کے پاس اس دلسل
کا کوئی جواب نہیں۔ اور اس نے توار رکھ دی۔ اگر وہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ قرآن مجید تھے
ہے۔ اور اشیاء میں داخل ہے۔ تو انہی طور پر ماننا پڑتا ہے۔ کہ اللہ ہر شے کا
خالق ہے۔ اور ہر شے مخلوق ہے۔ پس قرآن مجید مخلوق ہے۔ اگر نہیں مانا تو غفل
دہدایت سے انکار کرنا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اشیاء میں داخل ہے
کیسی طرح نہیں کہہ سکتے کہ وہ شے نہیں۔ اگر شے نہیں تو کیا ہے؟
خود مامون الرشید کا بھی یہی خیال تھا۔ اسے لفین ہو گیا تھا کہ شیخ عبد العزیز
بانکل ہے سب ہو گیا ہے۔ اسی لئے جواب سے بچنا چاہتا ہے۔ اس نے پہلی رفعہ
غصبہ ناک ہو کر شیخ سے کہا۔

”یا عبد العزیز! تجھے کیا ہو گیا ہے، کیوں سوال کا جواب نہیں دیتا۔“

اعلان حق

شیخ لکھتے ہیں، کہ فی الحقيقة اس وقت یہی کشکش میں مبتلا ہو گیا تھا
اور صادق نظر آتا تھا کہ قرآن کئے شے ملتے ہی ساتھ ہی یہ سب لوگ شوچاں میں
سمی۔ کہ قرآن کا مخلوق ہونا ثابت ہو گیا۔ لیکن مامون کے غصبہ ناک ہوستے
ہی اللہ نے میری رد کی۔ اور یہا یک راہ کا میانی دکھلا دی۔“

شیخ نے کہا، مجھ کو جواب دینے سے انکار نہیں لیکن جس طریق سے سوال کیا گیا ہے۔ اس میں ایک سخت وصیہ کا اور فاد ہے اس لئے میں پہلے اسے صاف کرنا چاہتا تھا۔ با ایں ہمہ اگر امیر المؤمنین کو اس پر اصرار ہے تو اچھا، میں تسلیم کرتیا ہوں۔ قرآن بھی اشیاء میں داخل ہے ہے۔

یہ اقرار سنتے ہی بشر احبل پڑا، اور بشر اور حامون المرشید ایک ساتھ بول اُٹھے:-

”اگر قرآن بھی اشیاء میں داخل ہے۔ تو قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کا خالق ہے۔ اونکہ اشیاء مخلوق ہیں۔ پس قرآن کو بھی تم نے مخلوق تسلیم کر دیا۔“
شیخ نے گرج کہا:-

”ہرگز نہیں! اس سے کچھی لازم نہیں آتا۔ قرآن کہتا ہے۔ دیکھ د کہ اللہ نعمتہ یعنی اللہ تم کو اپنے ”نفس“ سے ڈرا تا ہے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا بھی نفس ہے۔ اور پھر قرآن کہتا ہے کہ کل نفس ذات اللہ المون نفس کے لئے ضرور ہے کہ وہ موت کا مزہ چکے۔ پس اگر اشیاء میں قرآن ہو کر مختلف ہو گیا۔ تو کیا خدا بھی کل نفس، میں داخل ہو کر اپنے نفس ہو کر موت کا مزہ چکے گا؟“

شیخ عبدالعزیز کا یہ کہنا تھا۔ کہ تمام مجلس پر سنا تھا چھا گیا۔ اور ایسا معصوم ہوا۔ گویا یہ الفاظ نہیں تھے، ایک بھلی بھتی جو یک ایک کو ندگئی۔ اور تما انگاہوں کو خبیرہ اور فہمی کو دہلا گئی۔ تجذیب شہر مریمی مہمت ہو کر ذکریتے کا دیکھتا رہ گیا:
ذِقْعَ الْحَقِّ وَطَلَّ مَا كَانَ وَالْعَلَمُونَ۔

یا تو ما مون المرشید غصباً کہ کہ شیخ سے جواب طلب کر رہا تھا۔ اور اسے

خلق قرآن کے انتزاع پر مجبور سمجھتا تھا، یا بے اختیار ہو کر عباد الخرزی کے جواب پر
وجہ کر منے لگا اور پکار پکار کر کہنے لگا: "معاذ اللہ! معاذ اللہ! خدا کی ذات
موت سے بری ہے۔"

حاملہ

بشریت نے پہلے آخری سال کو مناظرہ کا خالقہ قرار دیا تھا۔ شیخ نے بھی
اس کا جواب ایسا ہی دیا۔ مناظرہ کا خالقہ اور حجت کا اعلان آخری تھا۔

"امون الرشید نے حکم دیا کہ مناظرہ ختم کیا جائے۔ اور عباد الخرزی سے
مخاطب ہو کر کہا
"اگرچہ اس سملہ کا فیصلہ ہماری آج کی صحبت میں نہ ہو سکا لیکن اس میں
کوئی شک نہیں کہ تو نے اپنے مخاطب کا میال کے ساتھ متعا بلہ کیا۔ اور اس کی کسی
دلیل کے آگے میں نے تجویز پایا۔ تیری فضیلت علمی پر نیرے جوابات کیا
تھے تیری جرأت و ثابت فدی تیری فضیلت کا اصلی جوہ ہے۔ تو نے جس بے خوف و بے
چکری سے میرے حضور میں زبان کھلی اور جس طرح میرے جلال و غنیمہ اور ہوتے
و ملاکت کے خوف سے بے پرواہ ہو کر تقریر کی۔ واللہ کہ میں اس کی قدر کر دل گا۔ اور
تیری درستی ڈالج گوئی کو اپنی قدر داہیوں اور حکم سے تھکا دل گا۔ میری طرف سے
تیرے لئے امن اور اعزاز کا کرم کا فرمان ہے اور تیرا حجہ ہر استعداد اس کا مستحق
ہے کہ میری نجیس علم کا میم ہو۔ تو اب مدینۃ السلام میں قیام کر۔ اور پر بکھر کے دن میری
صحبت علمی میں شرکیا ہو۔"

شیخ نکھتے ہیں؟ اس کے بعد مامون الرشید نے حکم دیا کہ دس نہار درہم
بیکر قیام کاہ پر بھیج دیا جائے۔ نیز قیام کے لئے ایک سجا سجا یا محل سر کاری بھی
حرمت ہو۔ پھر تلوار کے نیام پر ہاتھ رکھا۔ جو مجلس کی برخاستگی کا اشارہ نہا۔
تمام اہل دربار اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں جب خدمت ہونے نے لگا۔ تو مامون
مسکرا یا اور کہا ہے: آج تو نے اپنے بڑے بی طاقتہ حرف پر فتح پائی۔
اس کے بعد نکھتے ہیں ہے

"بلیں جب دوبار سے نکلا۔ تو تمام لوگوں کو راستوں، دکانوں اندکو ٹھوں
چکیں براہ پایا۔ لوگ منتظر تھے، کہ میری اس حراثت کا کیا نتیجہ نکلنے ہے؟ جب انھوں
نے وہیجا کہ میں نہایت اعزاز ذکرام کے ساتھ والپیں جا رہا ہوں۔ اور مجلس مناظرہ
میں کامیاب رہا ہوں۔ تو ان کی حیثیت اور خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ لوگ ہر طرف
سے ہجاء کیا و دینے اور ارباب حق کی فتح پر خوشیاں منانے کے لئے جو جم کرتے۔
ادمیوں سے مصافحہ کرنے کے ڈائیٹے اپنی جانوں کو نحلکہ میں ڈلتے حتیٰ کہ جوش خلائق
اور شدتِ جنم سے میں عاجز ہیا اور گھر تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔"

اس کے بعد جب تمام علماء شہر یا معاشر کو واقعیات مناظرہ کی خبر ملی تو اس
غیر متوقع تا بید غلبی پر سجدہ شکر بجاللہ نے اندھا اس ایک لمحہ نے نہار دل
زبانوں کو یکاکیکھی دیا۔ جو خود تھا جان دمال سے انہمارت نہیں کر سکتی تھیں۔
پہلے مامون کے عنضدیب دصاویت کو دیکھ کر کسی کوہ حراثت نہیں پڑتی تھی۔
لیکن اب لوگوں کو اعلیٰ ملک پہنچا۔ کہ اگر حراثت و ثابت قدرتی کے ساتھ حق کا اہل لکھ
کیا ہے۔ تو احمد کی نصرت کی جسی ساتھ نہیں حصول تی اندھہ شخص کا سیاہی

حاصل کر سکتا ہے۔

صحیح سے لے کر تاکہ تک میرا مکان دیگر سے بھرا رہتا۔ اور مجلس مناظرہ کے حالات پوچھتے۔ میں رد ایت کرنے کرنے تھک گیا۔ یہاں تک کہ خبر دُورِ حضیل گئی۔ اور حجاز دشام تک سے لوگوں ندویافت کرنے کے لئے آئے گے۔ تب عاجز ہاکر میں نے چاہا کہ اس مناظرہ کے داقعات قلمبند کر دوں۔ تاکہ شخص اس کو ٹپھکر جت کی فتح اور باطل کئے خذلان کی سرگزشت میں معلوم کر لے۔

استدریاک

۱) شیخ نے اپنی تقریب کے ابتدائی حصہ میں کہا ہے
 "فرات مسلمانوں سے خلق قرآن کا اقرار نہیں کرایا۔ لیکن ایک انسان کرتا ہے رب عین مامون (جو مارون کے گھر میں پیدا ہوا اور ہارون ہادی کا بیٹا تھا)
 شیخ کے رسالہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا نہیں ہے بلکہ ہارون اور ہادی دونوں محمد بن منصور ملقب بہ مہدی کے بیٹے ہیں۔ مہدی کے بعد تیرہ ماہ تک ہادی نخت شیخ رہا۔ اس کے بعد ہارون الرشید خلیفہ ہوا۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے۔

۲) تقریب میں انھوں نے کہا:- تم سے پہلے آئمہ جو رنے جو کچھ کہیا، انہوں نے اس کے لئے تم کو کھڑا کر دیا۔ یہ اشاعت بنو امیہ کی طرف تھا۔ جن کو بنا کر کے آل عباس نے اپنی حکومت قائم کی۔

۳) اس سرگزشت کو یہم نے نہایت تعصیل سے لکھا۔ تاکہ اہم اسے موبود ہے۔

علامہ ماسلف کے ان واقعات کو پڑھیں اور یہ تکمیر کر دیں۔ اہم بالمحروف وہی
عن المنکرا ذمہ دویت نتیجہ خن ہی وہ اصلی و تحقیقی فرض ہے۔ جو اسلام نے علامہ
کے پسروں کیا اگر اس فرض سے ان کو علم عمل خالی ہے۔ تو ان کو تعین کرنا چاہیے
کہ انہوں نے اپنی ہستی مٹا دی، اور راستے کے پیغمرا ذمہ دھکل کی گھاں ان سے زیادہ
فہیتی ہے ۔

الْحِرْيَنْ فِي الْإِسْلَام

یعنی

نظام حکومت اسلامیہ

نام دنیا میں جمہوریت کے خیالات پھیل رہے ہیں۔ شخصی استبداد و مطلق الحکمی سے ہر جگہ نفرت کی جا رہی ہے۔ اور اس حقیقت کا اعتراف پہلیم ہے کہ قانونی و سیاسی آزادی میں نام انسان مساوی الرتبہ ہیں۔ قوم کو اپنے ثمرات ملک حصے ملتنے کا حق حاصل ہے۔ وہ اس حق میں وہ سروں پر مقدم ہے دنیا کی نام قویں اس حقیقت پر ایمان لاچکی ہیں۔ اور ہر فکن ذریعہ دو کوشش سے اس کے حصول کے لئے کوشش ہیں بعض کوششیں ہدف مقصود تک پہنچ چکی ہیں اور بعض کوششیں کے قریب ہیں۔

بیکن سلمان جو دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ اب تک اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور جو باخبر ہیں ان کے تصور میں اس کی صورت ہمیں ہے۔ حالانکہ اس حق طلب اور دادخواہ جماعت میں سب کے آگے مسلمانوں کو ہونا چاہیے تھا، لیکن کہ ان کا پیغمبر دنیا میں صرف اسی لئے آیا۔ ناکار انسانوں کو انسانوں کی غلائی سے نجات دلاتے۔

یہ پہلی قوی دوست کھڑی مسلمانوں کے اعمال و حرکات جملہ عنان کا تمثیل دیکھ رہی ہیں۔ ہم کو از راہِ نطف و کرم اس راستے کے شرایط و خطرات

سے مطلع کیا جاتا ہے۔ اور وعید و تہدید کی کڑک میں یہ تنیہ کرنے والی آواز سنائی ویتی ہے کہ دیکھا اس زنجیر کو حبس سختی سے کامنا چاہو گے۔ اسی سختی سے یہ پاؤں میں اور زیادہ پٹ جائے گی۔ ”اکثر واعظین سیاست نزارہ شفقت و نصیحت وینی ہم کو یہی ملیقین کرتے ہیں۔ کہ حریت حکومت کے لئے اس قسم کی کوششیں اور جدوجہد علیماً فرینہ کے خلاف اور تاریخ اسلام کو منافی ہی۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ واقعاتِ تازہ نے مسلمانوں کے حیاتِ زندہ کر دیئے ہیں۔ ان کو اپنا اذیا درفتہ خواب پھر پا دا گیا ہے۔ اتباعِ احکام ربانی کے لئے ان میں ایک بیانِ ولیم بیدا ہو گیا ہے اور اسلام کی حریت و آزادی کے اسباق پرانوں نے نظرِ الہی شروع کر دی ہے۔ اس لئے الہی کے ناصحین مشفیقین سیاست کو ان کی ہدایت سے مایوس ہو جانا چاہئے کہ ان کا بگراہ ہی ہو جانا ان کے حق میں ہدایت سے بہتر ہے ۴ اللہ یَعْدِیْ مَن يَشَاءُ

اِلٰہِ صَرِّاطٍ مُسْتَقِيمٌ

نوبتِ زہد فروشان و ریا کار گزشت

وقتِ شادی و طرب کردنِ زندگی برخاست

اسلام خود اپنے بیان کے مطابق رَبَّنَا اَتَنَا فِي الْأُّنْيَارِ حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً دین و دنیا کی اصلاح کے لئے آیا تھا۔ اور اس لئے دونوں جہاں کی برکات اس کے ساتھ تھیں۔ پھر اگر یہ فرغ کر لیا جائے کہ اسلام کے خزانہ ہدایت میں حنات سیاست دنیادی کا وجود نہیں تو اس کے معنی ہونگے کہ منصف خدمت انسانی کی انعام دہی کر

مقصر رہا۔ جس کا تخيیل بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان اسلام کے کارنامہ ہائے سیاسیہ اور طرقِ اصلاح حکومت دنیوی سے آج واقفیت حاصل کرے۔

آج سے ۱۳۳۴ برس پہلے کا واقعہ ہے کہ دنیا استبداد وال استبعاد کے خذابِ الیم میں مبتلا تھی۔ غلامی کی زنجیریں نے اس کا بند بند چکر کھاتھا۔ فرمان نہ دایاں ملک، امراء شہر، روپاۓ قبائل پہنے اپنے علقہ، فرمان نہ دایی میں ۰۲۰۰ میں دُوں ۰۲۰۰ تھے، اور ان کے باقی میں ان کے اطاعت گزار اور پیروں بالکل مثل معصوم الارادت آلات عمل کے تھے۔ جن کی زندگی کا موضوع واحد عرف اپنے قادر قابض کی نیکیں ہواۓ نفس و اتباع خروشات تھا۔ صدر قفتہ کی حقیقت اور امور و واقعات کی عدراقت کا فیصلہ مسلمان دا مرکے چشم و ابر و کا ایک اشارہ اور ملک دروساڑ کے کام دہن کی ایک جنبش کرتی تھی۔

میسح سے سترہ سو برس پہلے ذات شاہی ہر تعلیس سے منصف، ہر احترام فرق العادات سے مقدس اور ہر نفس و عیوب سے بہرا تھی۔ کیونکہ وہ خدا تھی خدا کا سایہ تھی یا کم از کم حرمتیہ انسانیت سے ایک بالاتر شے تھی۔

فراعنہ مصر دیوتا تھے۔ اسی نے مصر کے ایک فرعون نے میسح سے سترہ سو برس پہلے اپنے دربار پر کو کہا تھا "انا ربکم مالا علی" یعنی موسیٰ کا خدا کون ہے؟ تمہارا بڑا خدا تو میں ہوں۔ "کلدابیوں کے ملک میں نہ رہ بایں کی پرستش کے لئے ہسکل بنتے تھے۔ ہندوستان کے راجہ دیوتاؤں کے اذتا رین کر زمین پڑا تر تھے۔ روما کا پوپ خدا کے فرزند کا جانشین تھا۔ اور

اور اس کا آستانہ قدس سجدہ کاہ ملک و سلاطین ۔

ردم کے تیصر اور فارسی کے کسری گو دیوانا نہ تھے۔ لیکن فطرت پر بشر یہ سمجھتے ہیں کہ
منزہ، اور مرتبہ انسانیت سے بلند تر ہستی تھے۔ جن کے سامنے پہنچنا تحدی
جن کے سامنے ابتدائی کلام گناہ، جن کا نام دنیا سوادب، اور جن کی شان
میں ادنیٰ سما انحرافی بھی موجود تھا۔ بیتہ احوال ملکی سلاح مصروف رعایا
لکھ علام و دیگر شہنشاہی تھے ۔

دنیا اُسی تعبد و خلائقی اور ذلت و تحفظ میں بختی کہ بھرا حمر کے سوا حل پر
ریکھتا فی بزر بین بیں ”ایک خوبی پا دشاد کا ظہور ہوا۔ جس نے پہنچ رانہ لرد
و توہنائی سے تیصر دکسری کے لخت آٹھ دیجئے۔ رومتھ الکری کے ایوانِ قدس
کی بنیادیں ہلادیں تعبد و خلائقی کی زنجیریں اس کی شخصیت غیر آسمی کی ایک مغرب
سے کٹ کر مکڑے مکڑے ہو گئیں۔ اور استقلال ذات و فکر، حریت، خیال
و لذت و شرف و احترام نفس، مساوات حقوق، اور اپنال، شاششی کی روشنی
دنیا کے قدر کے قلب میں نکل کر تمام دنیا میں پھیل گئی۔ شاہنشاہ عالم مرتبہ قدر دستیت
و محرومیت سے گر کر عام سطح انسانی پر آگئے۔ اور عام انسان سطح خلائقی و حیوانت
سے باپر ہو کر مصروف پامل کے دیواناں اور دوم دایران کے تیصر دکسری کے پہلو
پہلو کھڑے ہو گئے اور تقدیل گئے رمشہور مورخ، فوائی خمل و زندہ ولی جو

لہ لک عرب دنیا کے قدر کے قلب میں داتھ ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں آیا
ہے اور جفرانیہ جدیدہ سے بھی ثابت ہوتا ہے ۔

ضمیموں اور خالق اہوں میں پڑی سوتی تھی، عسکر حجاز کی آدازوں سے چونکہ پڑی اور اسلام کی اس نئی سوسائٹی کا ہر نوجہ حسب استعداد فطرت و حوصلہ اپنے اپنے مرتبہ پر پہنچ گیا۔

میہجرا نہ قوت و توانائی کیا تھی؟ جلال روحانی سے بھری ہوئی ایک آواز تھی جو قبیس کی پہاڑی سے بلند ہوئی۔ اور جس سے گیندِ عالم کا گوشہ گوشہ گونج آئھا، کہ اے اہل عالم!

تَعَالَوْا إِلَى الْكَلِمَةِ سَوَّاهُ بَيْنَتَا
وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدُ إِلَّا
اللَّهُ وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا
وَلَا يَعْلَمُ بِعُصْنَا أَرْبَابًا مِنْ
دُوْبِ اللَّهِ (۳: ۵۷)

آدھا ایک بات جو اصولاً دعقلہ ہم میں تم میں متفق علیہ ہے۔ اس کو عالم بھی تیلیم کر لیں۔ یعنی خدا کے سماں کی کی پرتش نہ کریں، نہ اس کی خرافی میں کسی کو شریک بھیراییں اور ہم خدا کے سوا ایک دوسرے کو اپنا خدا اور آقا بناییں۔

اس ایک آواز سے انسانی جباری والوہیت کے بت سرنگوں ہو کر گردے شہنشاہیوں کا پُر اسرارہ اور عجیب الخصوصیں ٹلسیم ٹوٹ گیا۔ پادشاہ، خادم، رعایا، بیت المال، خزینہ عمری اور تمام انسان مسامی الرتبہ فرار پا گئے۔ خوب کے باضاء نے اپنے لئے ذخیرہ ایوان تیار کرایا نہ قائم دشیبا کے فرش بھپٹے نہ سونے چاندی کی کرسیوں سے دربار سجا یا اور نہ اُس نے اپنی سستی کو انسانیت سے مانوں تبا یا۔ بلکہ علی الاعلان کہہ دیا کہ

إِنَّمَا أَنَا بَيْشَرٌ مِثْلُكُمْ
میں بھی متحابی ہی طرح ایک آدمی ہوں

یہ تو عرب سے باہر کا حال تھا۔ خود عرب کا حال کیا تھا؟ اطراف میں بھائی غسان، حیرہ، بحرین، عمان بیس روم اور فرانس کے ماتحت جو ریاستیں تھیں۔ وہ سرتاپارہم دایران کے نگر میں رکھی ہوئی تھیں، لیکن وسط عرب کی بھی حالت یہی کہ اسلام سے پہلے وہ بالکل مبتلا ہے فیضویت تھا۔ جس طرح قبیلے قبیلے کا خدا اللہ تھا۔ اسی طرح ہر قبیلے کا شیخ بھی اللہ تھا۔ آپس کی جنگ و جدال انہی حرب و قتال نے تماں ملک کو کارزار بنا رکھا تھا۔ بے امنی و پیغمبر ایمانی عرب کے گوشے گوشے میں موجود تھی۔ قبائل کا ایک دوسرا سے کے نسلیں کات پر غارت کری بہترین سب معاش بھتی اس پر شعرا سے قبائل فخر یہ قصائد لکھتے تھے۔ اور ہر شخص دوسرا سے کی عزت دہال کو لپنے لئے بہترین فرائی دیتا تھا۔

عرض کہ دنیا کے اس خشک و پیے آب ملک کا چپہ چپہ انسانوں کے سخن سے سیراب کیا جا رہا تھا کہ دفعتہ سلطنت الہی کا ظہور ہوا۔ اور وہ لوٹی مکہ میں عرب کے سب سے بڑے جماعت کے اندر اس کے اس فرمان کا اعلان کیا گیا کہ اسے اولاد آدم۔

الآن دماء کند داولاد کھ
بمشیارہ وجاد کہ آج جان اور ماں کی حرمت
حرمت علیکم تحرمتہ یوم کام
فائم کی جاتی ہے۔ جسی طرح آج کے روز
ہذل، فی شهر کہ هذل کی اس شہر کہ میں اور ماہ
فی بدل کہ هذل الاحل
شئی من اهرا لجاعلیہ فتح
جاہیت کی تمام پا میں آج میسر پاؤں
قد می موضع و دماء الجاہیت کے نیچے ہیں۔ یام عبا پیت کی

موضوعہ وان اول دہ خوزی اور اس کے انتقام کے تمام
 اضعہ میں دمائنا دم ابن دافعات آج سے فراہوش ہوں، تبے
 ربیعہ الحارت پہلے بین خون لپیے عالم زاد بھائی ابن
 (الحدیث صحاح) ربیعہ بن حارث کا دون فرالش کرنا ہوں۔
 یہ ایک آذ رکھنی جسیں یہ عرب کی پر شور و نشر فضایں سکوت طاری
 ہو گیا۔ امن عام کا برچھا گیا، حکومت الہی کے اس داعی نے نصرانی شہزادے
 سے فرمایا تھا کہ عرب کی یہ اطمینانی سے نہ کچراڑ۔ وہ وقت آئے گا کہ ایک
 بڑھیا سونا اچھا لتی ہوئی مجبہ مکے ایک گوشے سے دوسرا گوشے میں نکل چلتے
 گی۔ اور کوئی اس سے تحرض نہ کرے گا۔ پس وہ وقت آگیا کہ بڑھیا سونا
 اچھا لتی ہوئی ایک گوشے سے دوسرا گوشے میں نکل گئی اور کسی نے اس سے
 تحرض نہ کیا۔

اس سلسلہ میں یہ عجیب بات

تمام مددیں احمدی حالت حکومت میہے کہ اسلام نے حکومت
 اسلامی کا جو نظام فرازدیا وہ ایک ایسی چیز رکھتی جو اس کے گرد پیش کے نظر آتی
 حکومت میں کہیں بھی موجود نہ رکھی اس نے ایک باقاعدہ قانونی و جمہوری حکومت
 کی بنادی، حقوق عامہ کی تشریح و تعمیل کی۔ نظریاتِ دحمد و شہزادہ احمد کے دست
 فاعم کی، عدل و انعدام کی تعلیم دی۔ قانونی تسامح و استثناء شخصی کی مکافحت
 کی شخصی حکومت دفاعی ایتیاز کو ایک قلم مٹایا۔

یہ محمل بیانات ہیں جن کی تفصیل و اثبات کے لئے موجودہ

اصول جمہوریت و عمریت کی بنا پر متعدد مباحث طے کرنے چاہئیں۔

ایک بہتر سے بہتر حکومت کے تجھیل کے لوازم نظام جمہوریت ا۔ کیا ہیں۔ اس کے جواب میں ہمارا موجودہ سیاسی لڑپچرائی دفعات سے بہتر کوئی شے نہیں پیش کر سکتا۔ جو انقلاب فرانس کے شرائیں دم صائب کے بعد اٹھا رہو ہیں صدی میں مرتب ہوئے، اور جن پر آج جمہوری حکومتوں کا عمل ہے۔ یہیں

۱۔ حکومت جمہوری کی ملک ہے۔ وہ ذاتی یا خارجی ملک نہیں۔

۲۔ تمام اہل ملک قسم کے حقوق و فرائون میں مساوی ہیں۔

۳۔ رئیس ملک (رپریزینٹنٹ) جس کو اسلام کی اصطلاح میں امام یا خلیفہ کہتے ہیں۔ اس کا تقرر ملک کے انتخاب و اختیار عام سے ہو۔ اور اس کو دیگر باشندگان ملک پر کوئی ترجیح نہ ہو۔

۴۔ تمام معاملات ملکی اور امور انتظامی و قانونی ملک کے اہل الائے اشخاص کے مشورہ سے انجام پائیں۔

۵۔ بیت المال یا خزانہ ملکی عام ملک کی ملکیت ہو۔ رئیس کو بغیر مشورہ ملک نے اہل حل و عقد کے اُس پر تصرف کا کوئی حق نہ ہو۔

حکومت جمہوری کی ملک ہے، یہ بحث درحقیقت زبدہ مباحثہ و خلاصہ جمہوریت ہے اور آئندہ نی اسلام وہ ذاتی یا خارجی ملک ہے، جیسی درحقیقت اسی اصل کی فرضی اور متعلقات ہیں۔ اس دعے کے اثبات کے لئے کہ اسلام میں عکالت

جمهور کی ملک ہے۔ اور سی خاص شخص کی ذاتی یا خاندانی ملک نہیں۔ بہترین دلیل خود اسی کی زبان ہے۔ قرآن مجید کا یہ حکم شخص کو معلوم ہے۔
 وَ شَاءَ رُهْمَرْ فِي الْأَمْرِ
 مدد حکومت میں لے بنی اسلام انوں
 سے مشورہ لے لیا کرہے۔ (۱۵۱)

دوسرا حجہ حکومت اسلامیہ کی مدح میں ارشاد فرمایا ہے
 وَ أَمْرُ رُهْمَشُورَى بَلْنَهَمُ
 ان کی حکومت باہمی مشورہ سے
 ہے۔ (۳۲ : ۶۳)

ان دنوں آئیوں میں تے پہلی آبیت میں حکومت کے لئے مشورہ عام
 کا حکم دیا گیا ہے۔ امر دوسرا آبیت میں اس حکم کی تعییں کی تصریق کی گئی۔
 ان دنوں آپتوں سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

۱۔ حکومت اسلامیہ میں مشورہ عام شرط ہے۔
 ۲۔ حکومت کی اضافت عام مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے جس سے یقینی
 طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حکومت اسلامیہ کسی کی ذاتی ملک نہیں۔ بلکہ جمہور اسلام
 کی ملک ہے۔

۳۔ تیسرا بات اُن سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا صداقہ
 میں اسی پر عمل تھا۔ کبونکہ بغیر ناریخ سے درستہ ہوئے خود قرآن ہم کو تبلاتا
 ہے کہ اُن کی حکومت باہمی مشورے سے ہے۔

قرآن مجید کی اُن آیات میں ہم کو اپنے یعنی کے اثبات کے لئے
 کسی دوسری دلیل کی احتیا رجح نہیں۔ لیکن واقعیات کے علمای ترجیحاً

لہذا عدالتِ اسلام کی تبکیت کے لئے ہم کو چند دیگر واقعات کا بھی اضافہ کرنا ہے جس سے اس کا عملی رُخ اور نیادہ واضح ہو جائے۔

۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفاء راشدین نے اپنا جا شیں کسی عزیز یا اپنے بیٹے کی ہنسی بنایا۔

۲) تمام معاملات ضروری میں آنحضرت اور خلفاء راشدین تہجا جریں انصار سے خصوصاً اور عام مسلمانوں سے عموماً مشورہ لینتے تھے۔

۳) خلخار کا تصریح عموماً مشورہ عام سے ہوتا تھا۔

۴) بیت المال کا عام مسلمانوں کا حق تھا۔ کبھی ذاتی طور پر اس کو صرف میں ہنسی لایا گیا۔ اور اسی لئے اس کا نام "بیت بیال مسلمین" تھا۔ حالانکہ اگر اسلام شخصی حکومت کی بنیاد رکھتا تو تصریح تھا کہ امور مذکورہ بالخطیبیہ حکومت اسلامیہ میں مفقود ہوتے۔

الفرض آیات مذکورہ کے غلاد، خلفاء کا عام مجمع میں انتخاب آزادی و حریت کے ساتھ ان کے احکام و اعمال کا انتقاد، امور نہمہ میں خلفاء کا اہل المائے اور ارباب حل و عقد سے استشارة بیت المال کی شخصی حرمت اور اس کا خزینہ عمومیہ میں ہونا اس امر کا حکم ترین ثابت ہے۔ کہ اسلام میں حکومت جو ہیں بلکہ کی طاقت کا نام ہے وہ کوئی شخصی استبداد نہیں۔

تمام اہل ملک مراثت حقوق، قانون درحقیقت یہ اسلام کی اور قواعد مملکت میں مساوی ہیں ہے۔ کہ اس کی نظر میں

آفادر غلام، محرز زاد رجیق، چھوٹا اور بڑا، امیرا و دشیق سب برابر ہیں۔ ہمیں
دلال جو آزاد شدہ غلام تھے۔ سردارانِ قریش کے پیلوں پہ پہلو کام کرنے ہے
اسلام کے سامنے صرف ایک ہی چیز ہے۔ جس سے انسانوں کے باہمی عروجتی ہیں
تفریق ہو سکتی ہے بعینی تقویٰ اور حسن عمل۔

إِنَّ أَكْرَمَ مَلَكُومُ عِنْدَ اللَّهِ
أَتُفْلَكُمْ (۱۲، ۲۹)

تم میں زیادہ معزز نہ ہی ہے۔ جو
زیادہ تقویٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک فقرے میں ہر ایک کی تفریقی کردی۔
الکرم، التقویٰ (ترمذی باب
بزرگی اور بڑائی) صرف تقویٰ میں
عمل ہے۔ (مفاظت)

ایک کو دوسرے پر فضیلت دنبی اور
لپیس لاحد علی احمد فضل
تفویٰ کے سوا اور کوئی حق تربیح د
الا بدبین و تقویٰ
(مشکوٰۃ باب مفاظت)

الناس كلهم بنا ادم
و ادھر من نراب (مشکوٰۃ)
تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم
سمی سے بناتھا۔ پس سب آپس میں
برابر ہیں۔

مساداتِ فاؤنی کی اصلی تصویر صرف اسلام کے مرقع ہی میں مل سکتی ہے
فائزون اسلام کی نگاہ میں حاکم و حکوم اور امام جمعۃ امت ناس میکسائیں ہیں۔ کیا اسلام
سے پہلے یہ حکمن تھا کہ ہادشاہ اپنی رعایا کے مقابلہ میں ایک محترم آدمی کی طرح
درافت میں حاضر ہو؟ حضرت عمر اور ابن کعب میں ایک معاملہ کی نسبت نہ اس

ہوئی۔ زیدی ثابت کے ہال مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمر جب ان کے پاس گئے
ڈانھوں نے لعیتم کے لئے جگہ کر دی، حضرت عمر نے فرمایا: ابن ثابت یہی بے
الصافی ہے۔ جو تم نے اس مندر کے میں کی۔ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے اُنکتاب پر خروج
اُسی طرح حضرت امیر حب ایک مقدمہ میں مدعا علیہ بن کر آئے تو ان
کو عذیز کے برابر کھڑا ہونا پڑا۔ (عقد الفرید)
عہد عباسیہ میں حکومت اسلامی کی خصوصیات بہت کم باقی تھیں لیکن
پھر حب مدینہ کے قلیلوں نے خلیفہ منصور پر دار القضاۃ میں دعویٰ کیا۔
۱۲۷۰ھ۔ ۹۳۰ء۔ م۔ تو خلیفہ کو تھناں قلیلوں کے دہشت ناضی
کے سلسلے آنا پڑا مامول کے دربار میں اس کے بیٹے عباس پر ایک بڑھیا
نے ناٹش کی اور شہزادی عباس کو برس دربار بڑھیا کے سامنے کھڑے ہو کر
اپنے مقدمہ کی سماعت کرنی ٹھرمی۔
قانون اسلامی میں قریب و بعید کا بھی کوئی امتیاز نہیں آنحضرت صلیم
نے صاف فرمادیا۔

عن عبادۃ بن الصامت	خدا کے حدود یعنی خدا کے متفرغ کردہ
قال قال رسول اللہ صلیعہ	قوالین دلائیں درود قریب، رشته
ا قیمو احمد و دا اللہ ملی	دار و غیر شرطی دار شسبجا پر یکسان جاری
القریب و المبعيد ولا	کردہ اور خدا کے معاملہ میں تم ملامت
ناخذ کھلی اللہ لوهہ	کرنے والوں کی ملامت کی پرداز
لا لہ را بن ماجہ کتاب الحدود	کردہ

جبلہ بن ایہم عسافی ایک عیسائی شہزادے نے عہد فاروقی میں اسلام قبول کیا تھا۔ طواف کعبہ کے موقع پر اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اس کے متین پر تھیڑ کھینچنے والے اس نے برابر کا جواب دیا جبکہ غصے سے بے تاب ہو گیا۔ اور حضرت عمر کے پاس آ کر مشکایت کی۔ آپ نے سن کر کہا۔ رَبِّنِيْ نَمَّنَتْ جَيْسَا كَيَا تَحَا۔ وَسُبْيٰ هِيَ اَسَكَى سِنْرَا بِعِيْضِيْ نَانِيْ۔ اس نے کہا۔ ہمارے ساتھ کوئی گتاختی کرے، تو اس کی سنرا قتل ہے۔ ”مگر حضرت عمر نے فرمایا: ”ہاں جا ملہیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے شریف وذیل اور بست دبلند کو ایک کر دیا۔“ جبلہ اس صدمیں پھر عیسائی ہو گیا۔ اور روم بھاگ گیا۔ لیکن خلیفہ اسلام نے مساواتِ اسلامی کی قانونیں ٹکنی گوارانہ کی۔

خوداً نَحْضُرَتَ كَالْأَسْوَدِ حَسَنَهُ کی عام طرز مسادات پر بخوب کرنا چاہیے۔ آنحضرت نہم مسلمانوں کے آقا اور سردار لختے۔ تاہم آپ نے عام مسلمانوں سے اپنے لئے کبھی کوئی ایتیاز نہیں چاہا۔ ایک سفر میں کھانا پکلنے کے لئے صحابہ نے کام لقیم کر لئے۔ تو جنگل سے لکڑیاں لانے کی خدمت سرشد کائنات نے خود اپنے ذمہ لی۔

حضرت انس دس برس خدمتِ بنوی میں رہے۔ لیکن ان کا بیان ہے کہ اس مدت طویل میں میں نے جسی خدمت آپ کی کی۔ اس سے زیادہ آپ نے میری کی۔ مساوات کا یہ عالم تھا کہ ”ما قابل فی شئی لِمَا فَعَلْتَ“ یعنی حکما نہ کام

بینا ناجھڑ کی دینا تو بڑی بات ہے۔ کبھی آپ نے اتنا بھی نہ کہا۔ کہ فلاں کام
یوں سے یوں کیوں کیا۔

غلام اور آقا

یہ متحارے بھائی ہیں۔ جن کو خدا نے متحارے ہاتھ میں دیا ہے۔ جو
خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ۔ جو خود پیند وہ ان کو پیندا۔

اسلام نے ہمایت شدت کے ساتھ اس سے رد کا کہ کوئی انسان کسی
دوسرے اشان کو خواہ دہ کیسا ہی ادنیٰ درجہ سکا کیوں نہ سمجھا جانا ہو۔ ”غلام“ اور
”بازی“ کہ کیونکہ سب نہ ای کے غلام ہیں۔ اسی طرح علاموں کو فرمایا کہ اپنے مریبوں
کو آقا نہ کہیں کہ مساوات اسلامی میں اس سے فرق آتا ہے۔

ایک پار ایک صحابی نے آنحضرت کو ان الفاظ سے خطاب کیا کہ ”لے آئئے
من“ آپ نے فرمایا ”محجو کو آقا نہ کو۔ آقا تو ایک ہی ہے یعنی خدا۔

صحابہ کا طرزِ عمل

خلفاء راشدین جو علم اسلامی کے زندہ پیکر تھے ان
صحابہ کا طرزِ عمل کا بھی ہمیشہ یہ طرزِ عمل رہا۔ حضرت عمر اور ان سماں غلام
سنگر بیت المقدس میں باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ بیت المقدس کے
جب قریب پہنچنے تو غلام کی باری ہٹتی۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ سوار ہوں کہ
شہر نہ دیکھا آگیا۔ آپ نے نہ ماننا۔ اور آخر خلیفہ اسلام بیت المقدس میں
اس طرزِ داخل ہوا۔ کہ اس کے ہاتھ میں اُدھ کی ہماری ہٹتی اور اُدھ پر ہس کا
غلام سوار نہ کا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا۔ جب کہ نام شہر خلیفہ اسلام کی شان

عظمت کا نکاشا دیکھنے کے لئے امند آیا تھا۔ یہ واقعہ شہر سے تفصیل کی ضرورت نہیں۔

وافدو اخبار دین میں رو جی سپہ سالار نے ایک جاسوس مسلمانوں کے دریافت حال کے لئے لشکر اسلام میں بھیجا جاسوس اسلام کے ان سچے نبیوں کو دیکھ کر جب واپس آیا۔ تو رو جی سپہ سالار نے ایک نیجے کے عالم میں بول آٹھا ہے:-
 ہم بالیل رہبیان و بالنهار یہ لوگ راتوں کو استغراق عبادت فو سات لو سرق ابن ملک دعوم میں را ہبہ ہوتے ہیں مگر دن کو شہزاد اقطعرہ و ازملی رجمواہ۔ اگران کا شہزادہ بھی چڑی کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ اور اگر زنا کرنے تو اسے بھی رجم کریں۔
 خصلت مسلم کی یہ اعلان تصحیح پڑی۔

مساویت فانوی کی اپک مشال | تبیله حمزہ کی ایک عورت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرنے کے لئے حضرت اسامہ کو آمادہ کیا۔ جن کو اپ بہت عزیز رکھتے تھے۔ نیکن جب اس واقعہ کے متعلق اسامہ نے اپ سے سفارش کی تو اپنا نے اگوں کو جمع کر کے فرمایا۔

”لے لو! تم سے پہلے تو میں اس لیے ہلاک کی گیں۔ کہ جب ان میں سو کوئی بڑا آدمی چھوڑ کر تنا نہار پوری کا ذکر ہمڑنا تھا (صیحت داعیہ کی بنا پر) مسے دردنا اس سے مراد عام جرائم ہیں، تو لوگ اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ پھر جب کوئی معمر لی آجی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے تھے۔“

..... لیکن خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بُلُسی فاطمہؓ بھی جزوی کرنے۔ تو اُن کے
ہاتھ بھی عذر کا ٹے جاتے۔ ” (بخاری الشیعۃ فی الحدیث)

یہ ہے اسلام کی فرمادوائی کی اصلی تصویر اور یہ ہے۔ ڈہ مسادات کی
حقیقی تعلیم حسپ کے ساتھ اعمال نبوت کا اسوہ حسنہ بھی پیش کر دیا گیا تھا۔ یہ سچ ہے
کہ انقلاب فرانس نے پورپ کو استبداد و تسلط اور امتیاز افراد سے نجات دلائی۔
ادم اس نے معلوم کیا کہ ہر انسان بلکہ انسان ہونے کے انسات ہے۔ اگرچہ یہ
سر پر تاج اور ہاتھ میں عصا ر حکومت رکھتا ہو۔ لیکن باہم ہمہ آج بھی جب
کہ نہام پورپ سے شخصی فرمادوائی سکا جنازہ اُٹھ چکا ہے جب کہ قانون کی عرب
سب سے بالاتر بھی جانتی ہے جب کہ مسادات داؤزادی کے حاموں سے
اس کا گوشہ گوشہ گوئیج رہا ہے۔ ایک نظر بھی ایسی پیش کی جاسکتی ہے جس میں
فرمادوائے وقت نے ایسے صاف اور سچے لفظوں میں مسادات انسانی کا اعلان
کیا ہو۔ احمد خدالپے اور پر اس کا نمونہ پیش کرنے کے لئے ۳۰ مادہ ہو۔

انگلستان میں پادشاہ قانون کے تابع بیان کیا چاتا ہے اور امریکہ
وفرانس میں پر نید یڈمنٹ ایک عارضی مشورہ فرمائے حکومت سے زیادہ نہیں
لیکن واقعات و نظر رکے جمع کرنے پر متوجہ ہوئی۔ تو عرب یا واقعات پیش
کرنے جاسکتے ہیں جن سے ثابت ہونا ہے کہ قانون نے اس شدید مذہب
آزادی میں بعض اعلیٰ وادی اور پادشاہ و رعایا کا دینیہ بھی فرق قائم
رکھا ہے جیسا کہ شہودستان میں منو کے نمائے میں تھا۔ یادوں مظلوم کی
ان انسانی پرستی کا ہوئی کے عہد میں، جس کو اج تاریخ لعنت ذلفرین کے

ساتھ یاد کرنی ہے

بہم کو یورپ کی ان عدالتوں کا نشان دو جہاں پادشاہ وقت
ایک معمولی فرد رعایا کے دعویٰ کی جواب دہی کرنے آکھڑا ہو۔ کیونکہ ہم نہ عرف
مدینے کی اس سادہ عدالت کرہ مسجد ہی بیس نہیں۔ بلکہ دشمن اور بغداد کے
پُر شوکت عدالت خانوں میں بھی ایسا ہی دیکھ رہے ہیں۔ بہم کو دو قانون
تبلاو، جس نے چونی کی سراسپاہی کے لڑکے کی طرح پادشاہ کی لڑکی کی
بھی دینی چاہی ہو۔ کیونکہ عرب کے اس کے قدس پادشاہ کا اعلان ہم پڑھو
رہے ہیں۔ جو پادشاہوں کو مشانے کے لئے آیا تھا۔

کیا آج بھی قانون عمل ادنی و اعلیٰ میں تمیز نہیں کرتا؟ کیا کل کی
بات نہیں ہے۔ کہ انگلستان میں ایک دعویٰ کے جواب میں پارلیمنٹ نے
اعلان کر دیا تھا کہ پادشاہ عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی
اعلیٰ سے اعلیٰ عدالت اُس کے نام سخن جاری کر سکتی ہے۔ یہ اعلان ہی نہیں
ہے۔ بلکہ قانون ہے۔ کیونکہ قافلن نے باس ہمہ ادعا، مساوات پادشاہ
کو عدالت کی حاضری سے بری اور مستثنے کر دیا ہے۔

صدیوں کی جدوں جہر کے بعد دنیا کا آج حاصل حریت اس سے
زیادہ نہیں۔ پھر وہ دعوت کیسی مقدس و محترم اور وہ موبِر من اللہ
ہاتھ کیسا غیظم وجلیل تھا۔ جس نے چھٹی صدی کی تاریخی میں حقیقی حریت
و مساوات انسانی کا چراغ روشن کیا۔ اس اعلان کر دیا۔

”لوائ فاطمۃ بنت محمد سرفت، لقطعۃ بدیها“ صلی اللہ
علیہ و علی اہلہ و محبہ وسلم

خایفہ اول کا اعلان حق اور مساوات کا تجھیل عمومی
حضرت ابو بکر نے جو پہلی تقریر کی تھی۔ اس کے حسب ذیل
فهرس کے پڑھو : -

وَإِنْ أَفْوَأْكُمْ عَنْدَكُمْ
الصَّعِيفَ حَتَّىٰ احْذَلَهُ
جُقْدَهُ وَإِنْ أَعْنَفْكُمْ عَنْدَكُمْ
الْقُوَىٰ حَتَّىٰ احْذَلَهُ
أَنْجُونَ

(ابن سعد عبد رحمٰن صفحہ ۱۲۹)

اس مساوات کی تعییں ہے پیر دان اسلام کے قابل دناغ
کو حربت و مساوات کے تجھیل سے پر بچ کر دیا تھا۔ فارسی کی لڑائی میں جب
مغیرہ بن سعد (یمنی) سچے سالار کے پاس سینہ بن کرگھ اور
تجھٹ پر اس کے برابر بیٹھ گئے تو دربار یون مٹے یہ مسوار ادب دریکھ کرہے
تخت سے انہار دیا تھا۔ اس پر ان کے مٹے سے کسما بے ساختگی کے
ساتھ یہ الفاظ نکلے ہیں : -

أَنَا مُخْنِنٌ سَعْنَشْرَا لَعْرَ دَبٍ
هُمْ مُسْلِمُانُوںْ میں، تو ایک دُز سرمه کو
لا یَتَبَدَّلُ لَعْصَنَا لَعْصَنَا - غلام سمجھنے کا دستور نہیں ہے۔
(طبری صفحہ ۱۰۸) یہ متحار کیا ہے ؟

امندراد زمانہ نے حکومیاتِ اسلام بہت کچھ مٹا دیئے۔ تاہم اس دفعہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج ہندوپ ترین مالک میں سیاہ سپید قو میں اپنی عبادت گا ہوں میں ایک دوسرے کے ساتھ میں ایک اونٹی ترین مسلمان ایک امیر لا ہوا بلکہ شاہ افغانستان کے پہلو پلے کھڑا ہوتا ہے۔ اور کوئی اس کو اپنی جگ سے ٹھا ہنس سکتا۔ کہ اسلام میں مسادات نہیں؟ اور اس بارے میں وہ آج یورپ سے درس حربت لینے کا محتاج ہے۔

نظامِ جمہوری کا تیسرا رکن | اس مبحث کو ہم دو حصوں میں بیان کریں گے۔

اماں یا خلیفہ کا تقرر انتخاب | ۱، تاریخِ شاہد ہے کہ خلفاء راشدین میں سے کسی کا انقریب عام ہے ہو۔ اور دو رسول پر (مراثت یا یا استبداد رائے نہیں) حکومی میں اسلوکو کوئی ترجیح نہ ہوا۔ بلکہ جمع عام میں ہماجرین والنصار کی حضرت رائے سے (جو بنزrlہ اركان خاص تھے) اور عام مسلمانوں کے قبول سے ہوا۔ (جو بنزrlہ اركان عام تھے) حضرت ابو بکر کا انتخاب نہست گاہ بنو ساعدہ میں حضرت عمر کی تحریک، ہماجرین والنصار کی تایید اور عامہ مسلمین کی پسندیدگی سے ہوا۔ حضرت عمر کا انتخاب حضرت

ابو بکر کی تحریک، فہاجرین و انصار و عامة مسلمین کی تائید و قبول سے ہوا۔ حضرت عثمان کو عبد الرحمن بن عوف وغیرہ کی ایک نیابی مجلس کے انتخاب اور عام اہل مدینہ کے مشورہ سے خلیفہ بایا گیا۔ اسی طرح حضرت امیر اہل مصر و اہل مدینہ کی تجویز و قبول سے خلیفہ منتخب ہوتے۔

حضرت عمر رضی عنہ تو صاف فرمادیا "الخلافۃ الا عن مشورۃ" (کنز العمال صفحہ ۱۲۹۔ جلد ۳) یعنی خلافت عرب عام مشورہ سے طے ہو سکتی ہے۔ شریعت میں اس کے تعین کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

واقعۃ تحلیل یہ میں حضرت امیر علیہ السلام اور امیر معادیہ کی معزوہ میں قوم ہی کی رائے سے مدد لینی پڑتی۔ گو اس میں امیر معادیہ کے نائب نے مکروہ خدیع سے کام لیا تھا۔ اور قوم کو وھو کا دنیا چاہا تھا، حضرت امیر کی تصریح اے امیر معادیہ نے حضرت امیر علیہ السلام کو لکھا تھا۔ کہ تم کو خلیفہ کس نے بنایا؟ حضرت حبوب میں فرماتے ہیں:-

انہ بیا یعنی القوم الذین با جس قوم نے ابو بکر و عمر و عثمان کی صحیت بیعوا با بکر و عمر و عثمان کی تھی۔ اور جن شرائط پر صحیت کی تھی۔ علی ہابا یعنی علیہ السلام، فلم یکن اسی نے انہی شرائط پر میری صحیت للشاهد اذ یختنا رولا المغاۃ کی۔ جو مجلس انتخاب میں موجود ہو اس

ان یرد و انسا الشوری
 للهـما جربن و الاضمار
 فان اجتمعوا على رجل و سمهـة
 اماماً، كان ذلك رضيـ فان
 خرج من مریمـ خارجـ
 لطعن او بدعاـتـ ردـ وـهـ
 اـلـىـ ماـ خـرـجـ مـنـهـ فـانـ اـبـيـ
 فـانـ تـلوـكـ عـلـىـ اـتـبـاعـهـ غـيرـ
 سـبـيلـ اـمـوـمـتـينـ
 رـنـجـ الـبـلاـغـهـ جـلـدـ ۲ـ صـفـحـ ۷ـ
 ہـوـگـاـ کـہـ جـسـ سـوـدـ عـلـیـ حـدـیـہـ ہـوـاـ اـسـ کـےـ قـبـولـ پـرـ وـہـ مـجـبـرـ کـیـاـ جـائـےـ اـگـرـ وـہـ اـبـ کـھـیـ
 نـہـ مـانـےـ توـ اـجـمـاعـ رـائـےـ مـسـلـیـمـ کـیـ بـنـاـ پـرـ اـسـ سـےـ جـنـگـ کـرـیـںـ۔
 حقیقت یہ ہے کہ جناب امیر نے ان چند فقرہوں میں انتخاب
 خلافت و جمہوریت کے تمام ارکان کی بہترین تفصیل کر دی ہے۔ اور ایسی
 تفصیل جس سے بہتر تفصیل آج بھی نہیں ہو سکتی ۔

شاہ جہاں کی مسجد کے پینا رکھم د جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں کھو دیا ہے؟

(مولانا ابوالحکام آزاد)

زیدان گرامی میں اپنے جانتے ہیں کہ وہ کوئی زنجیر ہے جو مجھے بیاں نے
آئی ہے۔ میں کے لئے شاہ جہاں کی اس بادگا مسجد میں یہ اجتماع یا
نہیں۔ میں نے اس نہانے میں بھی کہ اس پر بیان و نہاد کی بہت سی گردشیں
بہت سی ہیں۔ میں بھی اس سے خطاب کیا تھا۔ جبکہ تمہارے چہروں پر
اصحاح کی بجائے اعلیٰ ان تحا اور تحارے دلوں میں شکر کی بجائے اعتماد
آج تحار سے پہنچ دل کو اغطرسی اور دلوں کی دیرانی دیکھتا ہوں۔ تو مجھے ہے
اختیار پھیپھی چیند دل کی بھیولی بسری کہانیاں باد آجائی ہیں۔ تھیں باد
بیٹھے۔ میں نے تھیں پہکارا اور تم نے میری زبان کاٹ لی۔ میں نے قلم آٹھایا
اور تم نے میرے ہاتھ فتحم کر لیے۔ میں نے چلنا چاہا۔ تم نے میرے
پاؤں کاٹ دئے۔ میں نے کردا ٹلیا چاہی اور تم نے میری کمرود دی۔
 حتیٰ کہ پھیپھی سات سل کی تلنخ نوا سیاست جو تھیں آج داغ جدائی نے
گئی ہے۔ اس کے عمدہ ثابت میں بھی میں نے تھیں غطرے کی ہرشا ہڑا پر

جھنچھڑا۔ لیکن تم نے بیری صدائے نہ مرف اخراج کیا۔ بلکہ غفلت و انکار کی ساری سنتیں تازہ کر دیں۔ نتیجہ معلوم کہ آج ان یہی خطروں نے متحیں گھر لیا ہے۔ جن کا ندیشہ متحیں صراطِ عیم سے دور رہے گیا۔

ڈورافتادہ صدرا

پسح پوچھو تو اب میں ایک جموں ہوں۔ یا ایک دوسرے افتانے صدرا جس نے وطن میں رہ کر بھی غریب اوضنی کی زندگی گزاری ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو مقام میں نے پہلے دن اپنے لئے چن لیا تھا۔ وہاں میکر بال و پر کاٹ لے گئے ہیں۔ یا میکر آشیائی کے لئے جگہ نہیں رہی۔ بلکہ ہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میکر دامن کو تمہاری دست درازیوں سے مگلے ہے۔ صیرا احساسِ زخمی ہے۔ اور میکر دل کو صدمہ ہے۔ سوچ تو سہی نم نے کون سی راہ اختیار کی۔ کہاں پہنچے اور اب کہاں کھڑے ہو؟ کیا یہ خوف تم نے خود فراہم کیا ہے۔ یہ تمہارے لئے ہی اعمال کے پھل ہیں۔

مرض الموت

ابھی کچھ زیادہ ۶ صدھ نہیں بیتا۔ جب میں نے متحیں کہا نہیں۔

کہ ڈر قیوں کی جیات محسنوی کے لئے غرض الموت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کو چھپوڑ دد۔ یہ توں جن پر تم نے بھروسہ کیا ہوا ہے بہایت بیزی سے ٹوٹ رہے ہیں۔ لیکن تم نے سنی ان سنی برابر کردی۔ اندیہ نے سوچا کہ وقت اور اس کی رفتار مختارے کے لئے اپنا ضابط تبدل نہیں کر سکتے وقت کی رفتار کھٹی نہیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ جن سہاروں پر تمہارا بھروسہ تھا۔ وہ تمیں لا وارث سمجھ کر تقدیر کے حوالے کر گئے ہیں۔ وہ تقدیر جو تمہارے دماغی لخت میں مشیت کی نشانہ سے مختلف مفہوم کرتی ہے۔ یعنی تمہارے نزدیک فکران ہمت کا نام تقدیر ہے۔

بساط اُٹ گئی

انگریزی کی بساط نہاری خواہش کے برخلاف اُٹ دی گئی۔ اور راہنمائی کے وہ بت جو تم نے دفعع کئے تھے۔ وہ بھی دغادے گئے۔ حالانکہ تم نے یہی سمجھا تھا کہ یہ بساط ہمیشہ کے لئے بچانی گئی ہے۔ اور ان ہی بنوں کی پوچا میں تمہاری زندگی ہے۔ میں تمہارے زخموں کو کریدنا نہیں چاہتا۔ اور تمہارے اغطراب میں مزید اضافہ میری خواہش نہیں۔ لیکن اگر کچھ دور ماضی کی طرف پلٹ جاؤ۔ تو تمہارے لئے بہت سی گرہیں کھل سکتی ہیں۔ ایک تھا بیس نے ہندوستان کی آزادی کے حصول کا احساس دلاتے

ہوئے متعصیں پکارا تھا اور کہا تھا :-

جو ہونے والا ہے اس کو کوئی قوم اپنی خوبست سے روک نہیں سکتی۔ سندھستان کی تقدیر میں بھی سیاسی انقلاب لکھا جا چکا ہے اور اس کی غلامانہ زخمیوں میں عدی کی ہوائے حریت سے کٹ کر گرنے والی ہیں۔ اگر تم نے وقت کے پہلو پہ پہلو قدم اٹھانے سے پہلو ہتھی کی اور تعطل کی موجودہ زندگی کو اپنا شعار بنائے رکھا تو مستقبل کا سورخ لکھے گا کہ :-

تمہارے گروہ نے جو سات کردار انسانوں کا ایک غول تھا۔ ملک کی آزادی کے بارے میں وہ رویہ اختیار کیا جو صفحہ تہی سی محو ہو جانے والی قوموں کا شیوه ہوا کرتا ہے۔ آج سندھستان آزاد ہے۔ اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ وہ سامنے لال قلعہ کی دیوار برآزاد سندھستان کا جھنڈا اپنے پورے شکوہ سے لہرا رہا ہے یہ دہی جھنڈا ہے۔ جس کی اڑاؤں سے حاکمانہ غدر کے دل آزاد تھے مسخر کیا کرتے تھے۔

وقت کی انگریزی

یہ ٹھیک ہے کہ وقت نے تمہاری خواہیوں کے مطابق انگریزی نہیں لی۔ بلکہ اس نے ایک قوم کے پیدائشی حق کے احترام میں کردٹ بدلی ہے۔ اور یہی وہ انقلاب ہے۔ جس کی ایک کردٹ نے تمہیں بہت حذک خوت زدہ کر دیا ہے۔ تم سے کوئی اچھی شے چمن

گئی۔ اور اس کی جگہ بڑی شے آگئی۔ ہاں مہنگاری بے قراری اس لئے ہے کہ تم نے اپنے تیس اچھی شے کے لئے تیار نہیں کیا تھا۔ اور بڑی شے ہی کو ملکا دنادی سمجھ رکھا تھا۔ میری مراد غیر ملکی غلامی سی ہے جس کے ہاتھوں تم نے مدتوں حاکمانہ طمع کا کھلونا بن کر زندگی بسر کی ہے۔ ایک دن تھا جب تم کسی جنگ کے آغاز کی فکر میں تھے۔ اور آج اس جنگ کے انعام سے مضطرب ہو۔ آخر تھماری اس عجیلت پر کیا کہوں کہ اوصھر ابھی سفر کی جستجو ختم نہیں ہونی اور اُدھر گراہی کا خطرہ بھی پیش آگیا ہے۔

سیاست پردازیاں

میرے بھائی! ہم نے سیاست کو ذاتیات سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اشہد کبھی اس پر خارہ ناری میں قدم نہیں رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ میری بہت سی باتیں کنایوں کا پہلو لئے ہوتی ہیں۔ لیکن آج مجھے جو کہنا ہے۔ ہم اسے بے رد کہ کہ کہنا چاہتا ہوں۔ مندرجہ سند دستان کا ٹبوانہ بنیادی طور پر خلط تھا۔ نہ سی اخلاقی ذات کو جس ڈصب سے ہوا دی گئی۔ اس کا لازمی پہنچ یہی آثار نہ سلطان تھے۔ جو ہم نے اپنی ہاتھوں دیکھے۔ اور قسمتی سے بعض مقامات پر ابھی تک دیکھ رہے ہیں۔

پہلے سات ہوں گی رواداد دہرانے سے کوئی خاص فائدہ

نہیں اور نہ اس سے کوئی اچھا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ البتہ ہندستان کے مسلمانوں پر میتھتوں کا جو ریلا آیا ہے۔ وہ یقیناً مسلم بیگ کی غلط قیادت کی فاش غلطیوں کا بدیہی نتیجہ ہے۔ یہ سب کچھ مسلم بیگ کے لئے موجب حیرت پڑ سکتا ہے۔ لیکن میرے لئے اس میں کوئی نئی بات نہیں۔ یہ سپہے دن ہی سے ان نتائج پر نظر رکھتا تھا۔

اب ہندستان کی سیاست کا رخ بدل چکتا ہے۔ مسلم بیگ کے لئے بیان کوئی جگہ نہیں۔ اب یہ ہمارے اپنے دناغوں پر مختصر ہے۔ کہ ہم کسی اچھے اندازِ فکر میں سوچ بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی خیال سے میں نے نو میر کے دسرے منفعتے میں۔ ہندستان کے مسلمان رہنماؤں کو دہلی بلانے کا تصدیکیا ہے۔ دعوت نامے بھیج دئے گئے ہیں۔ ہر اس کا پیسوسم عاشری ہے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کو ہمارے سوا کوئی زیر نہیں کر سکتا۔

دَعْوَةُ الْقَلْبِ

میں نے لمبیں ہجدهش کہا اور آج پھر کہتا ہوں کہ تیز بند بہ کا راستہ چھوڑ دو۔ شک سے ہاتھ اٹھا لو اور بد عملی کو ترک کر دو۔ یہ تین دھار کا انوکھا فخر ہے کہ اس دو دھاری تلوار سے زیادہ کاری ہے۔

جس کے گھاؤ کی کہانیاں بیس نے متحارے نوجوانوں کی زبانی سنی ہیں۔

یہ غار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے۔ اس پر بھی غور کرنا۔ تمھیں حسوس ہو گا کہ یہ غلط ہے۔ اپنے دلوں کو مضبوط بناؤ۔ اور اپنے داغوں کو سوچنے کی عادت ڈالو۔ اور پھر وہ کچھو کہ متحارے یہ فصلے کتنے عاجلانہ ہیں۔ آخر کہاں جا رہے ہو۔ اور کیوں جا رہے ہو؟

یہ دیکھو مسجد کے بیمار تھم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے؟ ابھی کل کی بات پے کہ یہیں جہنا کے کنارے متحارے قافلوں نے دھمو کیا تھا۔ اور آج تم ہو کہ تمہیں یہاں رہتے ہوئے خوف حسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ ہی متحارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔

بے جا جوش اور بیجا ہراس

عزمیو! اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرو۔ جس طرح آج سے کچھ عرصہ پہلے متحارا جوش و خردش بے جا تھا۔ اسی طرح آج تمہارا یہ خوف و ہراس بھی بے جا ہے۔ مسلمان اور نوری یا مسلمان اور استعمال ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔ سچے مسلمان کو نہ تو کوئی طمع ہلا سکتی ہے اور نہ کوئی خوف ڈرا سکتا ہے۔ چند انسانی چہروں کے

غائب از نظر ہو جانے سے ٹرد نہیں۔ انہوں نے مجھس جانے ہی کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ آج انہوں نے متحارے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ تو یہ عیب کی بات نہیں یہ دیکھو کہ تمہارے دل تو ان کے ساتھ ہی رخصت نہیں ہو گئے۔ اگر دل ابھی تک تمہارے پاس ہیں۔ تو ان کو اپنے اس خدا کو جلوہ گاہ بناؤ۔ جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے عرب کے ایک اجی کی معرفت فرمایا تھا ہے۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا لا خوف
علیهم ولَا لین نون ط جو خدا پر ایمان لائے اور اس پر جنم گئے تو پھر ان کے لئے نہ تو کسی کی طرح کا ڈر ہے اور نہ کوئی غم۔ ہوا یہی آتی اور گزرہ جاتی ہیں۔ یہ صرسر ہی۔ لیکن اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں۔ ابھی ویکھی آنکھوں انبلا کا یہ مسیح گزرنے والا ہے۔ یوں بدل جاؤ۔ جیسے تم پہلے کچھی اس حالت میں نہ لیتے۔

حروفِ شکایت

میں کلام میں تکرار کا عادی نہیں۔ لیکن مجھے تمہاری تھا فلسفی کے پیش نظر بار بار کہنا پڑتا ہے کہ تیسرا طاقت اپنے محمدؐ کا پیشان اٹھا کر رخصت ہو چکی ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا ہے سیاسی ذہنیت اپنا پھلا سانچہ تو طچی اور اب بیسا نچہ ڈھنڈ رہا ہے۔ اگر ابھی تمہارے دلوں کا معاملہ بدل نہیں۔ اور دنیخوں کی چھین ختم نہیں ہوتی۔ تو پھر حالت دوسرا ہے۔ لیکن اگر دفعی تمہارے

اندھی تبدیلی کی خواہش پیدا ہو گئی ہے۔ نہ پھر اسی طرح بدلو۔ جس طرح تاریخ نے اپنے تیس بدل لیا ہے۔

آج بھی کہ ہم ایک دوست انتقلاب کو پورا کر چکے ہیں۔ ہمارے ملک کی تاریخ میں کچھ صفحے خالی ہیں۔ اور ہم انہی صفحوں میں زربہ عنوان بن سکتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہم اس کے لئے تیار رکھی ہیں۔

سوچ سے کہیں چیزیں لو

عزیز! تبدیلیوں کے ساتھ چلو۔ یہ نہ ہو کہ ہم اس تغیر کے لئے تیار نہ تھے۔ بلکہ اب تیار ہو جاؤ۔ ستارے ٹوٹ گئے۔ لیکن سورج تو چمک رہا ہے۔ اس سے کرنیں مانگ لو۔ اور ان اندر یہی را ہوں میں بچا دو۔ جہاں آجائے کی سخت ضرمت ہے۔

میں تمجیس یہ نہیں کہتا کہ تم حاکما نہ اقتدار کے مدد سے سے دنایاری کا سرطیقیت حاصل کر دے۔ اور کام سے لیسی کی مدھی زندگی اختیار کرو جو غیر ملکی حاکموں کے عہد میں مرتبا شعار رہا ہے۔ میں کہتا ہوں جو اجھے نقش وزگار نہیں اس بندستان میں مااضی کی یادگار کے طور پر نظر آرے ہیں۔ وہ مرتبا اپی تفافلہ لایا تھا۔ انہیں بھلا دو نہیں۔ انہیں چھوڑو نہیں۔ ان کے وارث بن کر رہو اور سمجھو لو کہ اگر تم بھاگنے کے لئے تیار نہیں تو پھر نہیں کوئی طاقت بھگا دیں گی۔ آؤ عہد کر دو کہ یہ ملک ہمارا ہے۔ ہم اس کے لئے ہیں۔ اور اس

کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آداز کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے۔ آج زلزاں سے ڈرتے ہو۔ کبھی تم خود ایک زلزلہ تھے۔ آج اندر جھرے سے کاپتے ہو۔ کیا یاد نہیں رہا کہ تمہارا ذمہ دار ایک انجاملا تھا۔ یہ پادوں کی بیل کیا ہے۔ کہ تم نے بھیگ جانے کے خرثے سے اپنے پائچے چڑھالنے ہیں۔ وہ مختارے ہی اسلاف تھے۔ جو سمندر دیں میں اتر گئے۔ پہاڑوں کی چھاتیوں کو ردہ دالا۔ بجلیاں آئیں تو ان پر مکرا دئے۔ بادل گر جئے تو قہقہوں سے جواب دیا۔ صرصاٹھی تو رُخ پھیر دیا۔ آندھیاں آئیں تو ان سے کہا تمہارا راستہ یہ نہیں ہے۔ یہ ایمان کی جان کنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھینے والے آج خود اپنے ہی گریبان کے تاریخ پر ہیں۔ اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے ہیں۔ کہ جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہیں تھا۔

عزیزہ! میسر پاس مختارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے چودہ سو برس پہلے کا پرانا نسخہ ہے۔ وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا۔ اور وہ نسخہ ہے قرآن کا یہ اعلان

ـ ح کی صحبت ختم ہو گئی۔ مجھے جو کچھ کہتا تھا۔ وہ میں اختصار کے ساتھ کہہ چکا۔ پھر کہتا ہوں۔ اور بارہ بار کہتا ہوں۔ اپنے حواس پر قابو رکھو۔ اپنے گرد میش اپنی زندگی خود فراہم

کرنے۔ یہ منڈی کی چیز نہیں کہ مجھیں خرید کر لادوں۔ یہ تو دل
کی دکان ہی سے اعمال صالحہ کی نقدی پر دستیاب ہو سکتی ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

زبانِ زلطان فرد ماند را ز من باقی است

بغایع ات سخن آخیر شد و سخن باقی است

دُنیا کی تمام طاقتتوں سے دبائی ہو کر

خدا کے وفادارین جاؤ

مولانا آزاد کا پیغام

لوگ دنیا میں سینکڑوں قوتوں کے محکوم ہیں۔ ماں باپ کے
محکوم ہیں۔ دوست و احباب کے محکوم ہیں۔ استغاد و حرشد کے محکوم
ہیں۔ امیروں۔ حاکموں اور بادشاہوں کے محکوم ہیں۔ اگرچہ دنیا
میں بغیر کسی زنجیر اور بیڑی کے آئے تھے۔ مگر دنیا نے ان کے پاؤں
میں بہت سی بیڑیاں ڈال دی ہیں۔

لیکن مونس مسلم ملتی وہ ہے۔ جو صرف ایک ہی کی محکوم ہے
اس کے گلے میں حکومی کی ایک بو جمل زنجیر ضردار ہے۔ مگر مختلف سنتوں
میں کھنچنے والی بہت سی ہلکی زنجیریں نہیں ہیں۔ وہ ماں باپ کی طاعت
اور فرم ان برداری کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے ایک ہی حاکم نے ایسا کرنے
کا حکم دیا ہے۔ وہ دوستوں سے محبت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسے فقیروں
اور ساتھیوں کے سانحہ سے برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے۔ وہ اپنے ہر بزرگ
اوپر ٹرے کا ادب ملحوظ رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے ادب آموز حقیقتی

نے اسے ہی تبلیا ہے۔ وہ بادشاہوں اور حاکموں کا حکم بھی
مانتا ہے۔ وہ دنیا کے ایسے بادشاہوں کی اطاعت بھی کرتا
ہے۔ جو اس کے آسمانی بادشاہت کی اطاعت کرتے ہیں۔
کیونکہ اسے تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرے لیکن
یہ سب کچھ جو وہ کرتا ہے۔ تو اس لئے نہیں کرتا۔ کہ ان سب
کے اندر کوئی حکم مانتا اور ان کو چھکنے کی جگہ سمجھنا ہے۔ بلکہ عرف
ایک ہی کے لئے ہے۔ اور حکم صرف ایک ہی کا ہے جب اس
ایک ہی حکم دینے والے ان سب باقتوں کا حکم دے دیا۔ تو ضرور
ہے کہ خدا کے لئے ان سب بندوں کو بھی مانا جائے اور اللہ
کی اطاعت کی خاطر وہ اس کے بندوں کا بھی مطبع ہو جائے۔

یہ فی الحقيقة اس دنیا میں ہر انسان کے لئے بے شمار حاکم
اور بہت سی جھکانے والی قوتیں ہیں۔ لیکن مومن کے لئے عرف
ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔ وہ عرف اسی کے آگے چھکتا ہے۔
اور صرف اسی کو مانتا ہے۔ اس کی اطاعت کا حق ایک ہی کو ہے اس
کی پیشانی کے چھکنے کی چوکھٹ ایک ہی ہے۔ اور اس لئے دل کی
خریداری کے لئے بھی ایک ہی خریدار ہے۔ وہ اگر دنیا کی کسی سیاست کی اٹا
کرتا بھی ہے۔ تو عرف اسی ایک کے لئے اس لئے اس کی بہت سی
اطاعتیں بھی اس ایک ہی اطاعت میں شامل ہو جاتی ہیں۔

متضبوٰ مازِ ذیٰرہ دِ حرم حمزہ بنیت
ہر جا کینم سجدہ برآ آلستان رسد

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں اپنے ساتھیوں سے کیا پوچھا؟

البایب متغیر قوان خیرام اللہ الواحد الفھار (۱۲)، ۳۹، بہت سے معبد بنالنبا بہتر ہے؟ ایک ہی تھارا در مقتندر خدا کو پوچنا؟

یہی وہ مخلصہ ایمان داسلام ہے۔ جس کی ہر مومن مسلم کو قرآن کریم نے تعلیم دی ہے کہ:-

اَنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلَّهِ اَهُدُو اَنَّا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّا

”ر تمام جہاں میں اللہ کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں۔ اونہ کسی کو اپنا معبد بنائیں۔“

یہی زین قریم ہے۔ جس کی پروردی کا حکم دیا گیا ہے۔

حدیث صحیح ہے کہ فرمایا:-

ذالک الدین القيم و لکن اکثر الناس لا یعلمون

جس بات کے ماننے میں خدا کی نافرمانی ہو۔ اس میں کسی مبتدئ کی فرماداری نہ کر دے۔

اسلام نے یہ کہہ کر غی المحقیقت ان تمام ماسوا نے اللہ اطاعت کی اور فرماداریوں کی بندشتوں سے موسنوں کو آزاد دحر کا مل بنادیا۔ جن کی بیڑیوں سے تمام انسانوں کے پاؤں ابوحجل ہو رہے تھے۔

اور اس ایک ہی جملہ میں انسانی اطاعت اور پیروی کی حقیقت اس دسعت اور امامت کے ساتھ سمجھا دی۔ کہ اس کے بعد اور کچھ باقی نہ رہا۔ یہی ہے جو اسلامی زندگی کا دستور العمل ہے۔ اور یہی ہے جو مومن کے تمام اعمال و اعتقادات کی ایک مکمل تصدیق ہے۔ اس تعلیم الٰہی نے تبلہ دیا ہے۔ کہ خوبی اطاعتیں۔ خوبی فرمابرداریاں خوبی دیانت داریاں اور جس قدر بھی تسلیم داعتراف ہے۔ عرف اسی وقت تک کے لئے ہے۔ جب تک کہ بندے کی بات ماننے سے خدا کی بات نہ جاتی ہو۔ اور دنیا والوں کے دفادر بلنے سے خدا کی حکومت کے آگے بخواست نہ ہوتی ہو۔ لیکن اگر کبھی الٰہی صورت پیش آجائے۔ کہ اللہ اور اس کے بندوں کے احکام میں مقابلہ آپڑے۔ تو پھر تمام اطاعتیں کا خاتمه تمام عہدوں اور شرطیوں کی شکست تمام رشتہوں اور ناطوں کا انقطاع اور تمام دوستوں اور محبتیوں کا اختتام ہے۔ اس وقت نہ تو حاکم حاکم ہے اور نہ بادشاہ بادشاہ۔ نہ باپ باپ ہے نہ بھائی بھائی۔ سب کے آگے ہمزدہ سب کے ساتھ انکار سب کے سامنے سرکشی۔ سب کے ساتھ بخواست، پہلے جس قدر نرمی کھٹی۔ اتنی ہی اب تمرد چاہئے پہلے جس قدر فرمابرداری کھٹی۔ اتنی ہی اب نافرمانی مطلوب ہے۔ پہلے جس قدر جھکاؤ نکھا۔ اتنا ہی بغدر ہے۔ کیونکہ رستے کٹ گئے، اور عہد ڈالے گئے۔ رستے

در اصل ایک ہی تھا۔ اور یہ سب رشتے اسی ایک رشتے کی خاطر تھے جو ایک ہی تھا۔ اور یہ سب اطاعتیں اسی ایک اطاعت کے لئے تھیں جب ان کے ماننے پیش اس سے انکار اور ان کی وفاداری بیس اس سے بخواست ہوئے تھے۔ تو جس کے حکم سے رشتہ چورا تھا۔ اسی کی تلوار نے کاٹ دی جی۔ اور جس کے ہاتھ نے ملایا تھا۔ اسی کے ہاتھ نے الگ بھی کردیا۔ سردار کائنات اور سید المقربین (صلح) سے بڑھ کر مسلمانوں کا کون آقا ہو سکتا ہے؟ لیکن خود اس نے بھی جب عقیلہ بیس انصار سے بیعت لی۔ تو فرمایا۔ کہ میری اطاعت تم پر اس وقت تک کے لئے واجب ہے۔ لیکن کہ تم کو نیکی کا حکم ددیں۔ جب اسی شہنشاہ کو نہیں دیں کون بادشاہ۔ کیون سی حکومت کوں سا پیشیوا۔ کون سے رہنا اور کوئی قوت بیس ایسی ہو سکتی ہیں۔ جن کی اطاعت ظلم کے بعد بھی ہمارے لئے باقی ہے۔

آدم کی اولاد دو کی محکام نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک سے ملے گی۔ دوسرے کو چھوڑے گی۔ ایک سے جڑے گی۔ دوسرا سے کے گی۔ پھر خدا رنجھے بناد۔ کہ ایک مومن کس کو چھوڑے گا۔ اور کس سے ملے گا؟ ایک ملک کے دو بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ ایک باقی رہے گا۔ ایک کو چھوڑنا پڑے گا۔ پھر مجھے بناد۔ کہ مومن کی اقیمت کس کی بادشاہت قبول کرے گی۔ کیا دو اس سے ملے گا۔ جس کی حالت یہ ہے۔

وَيَقْطَعُونَ هَا امْرَاللَّهِ بِهِ اَنْ يُوصَلِ (۲۵۰۲)
 خدا نے جس کو جوڑنے اور ملا نے کا حکم دیا ہے وہ اسے
 توڑنے اور جدرا کرتے ہیں۔"

ادر کیا اس کی بادشاہت سے گردن موڑے گا۔ جنپ کارتا ہے
 کہ یا ایسا لا انسان ہا خنزک برباد المکرید (۶۱۸۲)
 ملے غافل انسان کیا ہے۔ جس کے گھنمٹ نے تجھے اپنے
 ہر بان اور پیار کرنے والے آٹا سے سرکش بنادیا ہے؟ لگراہ یہ کیے
 ہو سکتا ہے؟

بَيْفَ تَكْفِرُونَ بِاللَّهِ وَلِلَّهِ الْمُوْمَاتُ فَاجْبَا كَمْ ثَمَّ
 بِمِيْتَكَمْ ثَمَرِيْبِيْكَمْ ثَمَمَا لِيْهِ تَرْجِعُونَ (۳۱۲)

تم اس شہنشاہ حقیقی کی حکومت سے کیونکہ انکار کر دے گے جس نے
 تمھیں اس وفات زندہ کیا۔ جب کہ تم مردہ تھے وہ لم پر پھر دست ظاری کرے
 گا۔ اس کے بعد دوبارہ زندگی تجھے گا۔ پھر تم سب اسی کے پاس بلائے
 جاؤ گے۔

دنیا اور اس کی بادشاہیاں کافی ہیں۔ ان کے جبروت و جلال
 کو ایک دن ملتا ہے۔ خدا یے منقیم دقاکار کے بھی ہوئے فرشتہ ہلتے
 عذاب الفلاح سے ولغیرات کے حریبے لے کر اترنے والے ہیں ان کے نفع
 مسکار ہو جائیں گے۔ ان کی تلواریں کند ہو جائیں گی۔ ان کی ذہ جس
 ہلاک ہو جائیں گی۔ ان کی تو پس ان کو نیا نہ دیں گی۔ ان کے

خزانے ان کے کام نہ آئیں گے۔ ان کی طاقتیں نیست و نا بود کہ
دی جائیں گی۔ ان کا تاجِ غردار ان کے سر سے اتر جائے گا مان
کا نختِ جلالِ عظمتِ داڑھوں نظر آئے گا ۔

انگریزی حکومت کی جانب اور جو چونہا دیکھے ہوئے ہمہ افراد میں میں اسی پر لکھ رہیا تو اسی دوں

(لاہور جمیعت علماء کے اجلاس میں مولانا ابوالکلام آزاد کی بیہیرت افراد تقریب
لاہور - ۲۳ ماہ پچ ۱۹۴۲ء - آج جمیعت علماء کے اجلاس کے
سبع پہلے باش بیرن دہلی دردانہ میں حضرت امام العین مولانا ابوالکلام
آزاد تقریب کے لئے تشریف لائے ۔

آپ نے تقریب کا آغاز کرنے ہوتے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ دینا
میں ہر چیز کا مزاج اور اس کی ایک خاصیت ہوتی ہے۔ قدرت نے
ہر چیز کے مزاج میں ایک ایسا فائز بنادیا ہے۔ جو اصل اور امراض ہتھا ہے
باکل اسی طرح جماختی۔ تو ہر اور ملکوں کی زندگی کا بھی ایک خاص
مزاج اور خاصیت ہے۔ اور جبکہ اس مزاج اور خاصیت میں کوئی فتوح
اندھیں پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ ایک سی کیفیت سے ہم آغوش ہو جانا ہے۔
اور ہم جسے اپنی اعیضیات میں ہر نے کے تام سے تعییر کرتے ہیں۔ میں
جو چیز بیان کر رہا ہوں وہ خدا بلکہ ہے۔ آج ہندوستان جس دوست
گزر رہا ہے وہ وہی ہے۔ جو دنیا کی سینکڑوں فوجوں اور ملکوں
گزر رہا ہے۔ آج سے مراد وہ وقت نہیں ہے۔ جس کو ہم ۲۰ گھنٹے کے

پہنانے سے ناپتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب موجودہ موربی عہد حاضر کو ہم نے تاریخ میں مختلف قوموں کی جو کہانیاں اور فہمہ پڑھتے ہیں۔ آج واقعات کو ہم پر کہا ہے ہیں اب ہم دریا کے کنارے نہیں بلکہ دریا کے اندر ہیں۔ ہم مدد سے کسی چیز کا لٹاڑ نہیں کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ تمام حالات ہم پیطا ری ہو رہے ہیں۔ ایک سیاہ بجا ہم کو پہنانے جا رہا ہے اور ہم اس سیلے میں بیٹے چلے جا رہے ہیں لیکن جو شخص ایک مورخ کی خوبیت سے مدد کھرا ہو کر ہم کو دیکھنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی نکاہیں صحیح اندازہ لگاسکیں گی۔ کہ ہم کس دوسرے سے گذر رہے ہیں۔ ہم اپنے آمپ کو دلت کے مزاج اور خاصیت سے تحفظ نہیں کر سکتے۔ ایک شخص خواہ کتنا ہی ذہانت رکھتا ہو۔ وہ گرد پیش حالات سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا ہے۔

آج مدرسہ چرچل ایک خاص اثر اور دائروں میں مخصوص ہے۔ وہ عقدت کے دائروں میں مخصوص ہے۔ اگر یہی شخص کیمرون یونیورسٹی میں تاریخ کا پروفیسر ہوتا۔ تو وہ گذشتہ تاریخ کو پیش لٹر کر کر زمانہ حال کے متعلق اپنی رائے فائم کرنا۔ اور آج ڈھونٹی کر رہا ہے۔ اس سے پچھ جانا۔ اس کا لٹر کام نہیں کرتا۔ اس کا دماغ اور عقل دنوں کا کرنے سے محروم ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر آج اسکے کسی کالج میں تاریخ کا پروفیسر نہ ہو تو اسے زمانہ کے متعلق زبانہ سے مربادہ درتبہ باقی میں ہمارے سامنے پیش کرے گا۔

یہ قدرت کے تو انہیں ہیں۔ موجودہ عہد میں صرف دہی دہارئے صحیح طور پر کچھ سوچ اور فکر کر سکتے ہیں۔ ہتو اپنے کو پانی کے سطح سے اپر لکھ کر سانس سے سکیں جو سر کے نیچے کرے گا۔ وہ دُوب جائے گا۔ آج پیرستان کی حالت کیا ہے۔ اس

پر ڈیم رہ سو بر سو ایک غیر ملکی حکومت مسلط ہے۔ وہ اپنی خود غرضی کے مطابق اس کو دلا رہا ہے۔ اس کا ایک مزاج ہے۔ اور اس کی ایک خاصیت ہے۔ اس لئے ملک کے اندر جو فضای موجود ہے۔ وہ سکون اور پرائیوری ہے۔ ہر سانس لینے والے اس ہر بیلی فضا میں سانس لے رہا ہے۔ تاریخ پرانی داستانیں دھرا دیتی ہے۔ آپ الگ ہو کر ایک طرف کھڑے میں بیٹھ جائیں۔ اور دیکھیں کہ آپ کا دماغ کس طرح کام کرتا ہے اور اس کے بعد کھرخول میں چلے جائیں۔ تو آپ بے ساختہ ہر چیز کے ساتھ وزیر ناشرع کر دیں گے۔ چنیجے کی بات یہ ہے کہ ہمارے حواس کام نہیں کرتے۔ بیردنی قبضہ ہمیں جس سانچے میں وصالنا چاہتا ہے۔ ہم ڈھلنے چلے چاہ رہے ہیں۔ اس سانچے میں جو ہاتھ کام کر رہا ہے وہ ہدی اور گوشت کا نہیں۔ بلکہ خاص اشرات کا ہے۔

اب میں سندھستان میں مسلمانوں کے مستقبل کا نقشہ تباانا چاہتا ہوں۔ میں محل لاہور آیا۔ تو مجھے ۱۹۰۴ء کا زمانہ یاد آگیا۔ جیکہ میں نے جمیعت الحلماء کے جلسہ کی صدارت کی تھی۔ میں آپ کو تباانا چاہتا ہوں کہ اس وقت میسر ایمان اور عزم کی جو صورت تھی اس میں اب تک ذرہ بھر تبدیلی نہیں ہوئی۔ وقت کا تفاصل سوچیں با توں میں تبدیلی ہوئی ہے۔ لیکن جن چیزوں کی بنیادا ایک ٹھوس عقیدے اور تینیت پر ملچھ۔ وہ نہیں بدلتے۔ میں نے ۱۸ برس کی عمر میں سیچ سمجھ کر ایک فیصلہ کیا تھا۔ چنانچہ اب تک اس پر قائم ہوں۔ میں آنکھوں تک دیکھ رہا ہوں۔ میسر سامنے ایک چراغ جل رہا ہے۔ اگر میں لاکھ انسان بھی مجھے لفظی لاں۔ کہ چراغ نہیں جل رہا۔ تو میں ایک مستقل حقیقت سے آنکھوں کو بند کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

سندھ و سناح غیر ملکی انتدار کے پنچے ہیں جو کہ طراہ ہڈا ہے۔ اس میں مختلف
حکمیتیں تو ہیں آباد ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حکمیت ایک سندھستانی مسلمان ہونے
کے متعلق بھی جملہ نیصلہ کرنا چاہیے۔ بہاں پڑھ دینوں اور کچلوں کی پرسش
پوری ہے۔ مگر اصل چیز جڑ ہے۔ میں آنے والے زمانے کو کمزوری اور تندب سے
نہیں دیکھتا۔ بلکہ عزم، سہمت اور حوصلے سے دیکھ رہا ہوں جو قوم اپنے آپ کو
بچانے پر قادر نہ ہو۔ اس کو تحفظات نہیں بچا سکتے۔ کاغذوں کے پر زوں پر
کچھ ہوئے قانون نہیں حفظ نہیں کر سکتے سب سے پہلے آپ اپنے
اور پاؤں کی نسروں کو مضبوط کر دے۔ میں ۳۸ برس سے یہ آذ ملنگا کہ رہا ہوں۔ لیکن
سننے والے کان میں کہاں سے لاؤ۔

مسلمانوں کی تعداد ۶۰ کرڑی ہے۔ اگر ۶۰ کرڑی کے بجائے مسلمان
۵ لاکھ ہی ہوتے اور ان کے دل میں یہ خیال ہوتا کہ مرنے کے لئے نہیں زندہ رہتے
کے لئے ہیں۔ تو کوئی قوم ان کو نہیں مٹا سکتی۔ جیسا کہ کروڑی اور تندب کی نہیں
ہے۔ بلکہ لفیقین اور ایمان کی ہو۔ کرڑی ہوتے ہوئے اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم فنا
ہو جاؤ گے۔ تو اس کا کیا علاج ہا کرڑی لاشیں کو کوئی تحفظ اور کوئی
ہستور نہیں بچا سکتا ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ نہیں بہادر بچا سکتا ہے۔ تو وہ بھی نہیں
بچا سکتا ہے۔ اور اگر نہیں تو تسب وہ اپنا بورا بالہ پرانہ چیز کہ اس بندھو چکا ہے۔
تو اس کو طے سے ہاتھ ڈال کر پکڑنا اور رد کر لینا دینا میں صرف نہداہی نہیں بلکہ
دوسری بھی بھی کام آتی ہیں۔ مریکے سنتے میں ہیکے ایک دیکھ کمی دیکھ رہی ہے۔ میں
وہی حرارت آپ کے انہیں پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ میرا ایمان اور میرا اسلام مجھے

پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ان حالات میں مریکے لئے صرف ایک غرض رہ گیا ہے۔ اور یہ ہے کہ انگریزوں کی حکومت کے خلاف جو چوہا دیکھ رہا ہے۔ اس میں نکڑیاں ڈال دوں۔ میں کوئی ابسا سوال اٹھانا نہیں چاہتا۔ جس سے تیسری طاقت کے ہاتھ مخفی طور پر وینا میں وہی سمجھتا ہے۔ جس کے پاؤں کی سیسیں مخفی طور پر ہوں۔

گرگفتہ زعشقن گئے صرف آشنا
آل ہم حکماً تست کہ از ما شندیدہ

میں آپکو آئندہ نقشیں کے بھرنے میں نہیں روکتا۔ آل انہڑیاں انگریز کی صدر ارت کے وذبر س میں میں نے جو کوششیں کیں اور سلما نور کے بعد رہ دن نے جس طرح ڈھک کر ایا۔ ان کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں تسلیں جھر کی چیزیں پر فخر نہیں۔ ورنہ کو جرڑ کی خروختا ہے۔ آپ اسی ابتدا کی مقدمہ اور طبقہ میں کوئی اثر نہیں کر دیں سے الات حل ہو جائیں گے۔ میری تما عمر کا سرمایہ یہی ہے کہ تم مجھ تھا جھر سے دل سے میری بات سننے ہو اور غرست جھری آنکھوں سے دیکھنے پڑے۔

تہذیبِ عسکری اور قران حکم

دراز حناب امام الہند حضرت مولا نا ابو الحلام صاحب آزاد انسان نہایت سرکش اور تحریر ہے۔ اس نے بار بار حقوق الہی میں دست اندازی کی ہے۔ اس کی خلائق میں جبروت کے سراپرہ جلال کو چاک کرنا چاہا ہے۔ اس کے دامن توحید پر پیگل مارا ہے اور تحریک ملکہ کنائیں تک اس کا شریک نبادیا ہے۔

اس نے خدا کی پاکی و قدوسیت کو بھی اپنے انسانی جذبات کے ساتھ لوث کرنا چاہا۔ اور اس کے صالح بندوں کو اس کا بیٹھا بیٹھا ہے۔

سبحان و تعالیٰ عَبَدَ يَقُولُونَ عَلَوْا كَبِيرًا،

اس نے کبھی کبھی غرور تکبیر کے گھنٹے دین آکر خود اپنا نسب نامہ بھی خدا کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اور اس طرح اپنے خاندان کو تما دینا سے اد پھانا رہنا چاہا ہے۔ فتاویٰ اللہ عما بیش کوئی

اس نے خدا کے بھیجی ہے تے پیغمبر نبی مسیح، مجنون، پاگل اور پیوانہ کہا ہے۔ ان کو طرح طرح کی اذیتیں دی ہیں۔ ان کے ساتھ ہر سو فتح پر گناہ کی ہے۔ بلکہ جھی کھی خدا کے ان صالح بندوں کو قتل کرنے کر دیا ہے۔

لیکن اس سرکش انسان کا خون اس قدر گراں قیدت اور بیش بیش کے اس نمرود طغیان پر بھی خدا نے اس کی حرمت کو قائم رکھا۔ لیکن جنبد سرکشی و عصیان نے بہت زیادہ سراخا بیا اور خدا کے دائرہ عضو کرم کے

حدود سے آگے بڑھنی۔ تو قانون تحریک اہل کو بھی حرکت ہوتی اور اپنی نظم اشان
تلوفات کو مسلط کر دیا۔ انہوں نے اس کو بداعمالیوں کی پری پوری سزادی شرود
کو بیس کر خوار بنا دیا۔ عاد کو مہوا کے جھونکے خس و خاشک کی طرح اڑائے گئے۔ قوم
نوخ کو طوفان کا ربانی کے کی طرح بہالے گیا۔

وَكَنْ أَلَّا إِحْدَى رِبَّتْ أَذَا إِحْدَى الْقُرْيَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ
إِحْدَى كَأْلِيمْ شَدْ بَدْ .

حقوق العباد

لیکن یا ایں ہمہ خدا نے اپنے حقوق کی حفاظت و احترام کے لئے
کبھی بھی ایک فطرہ خون نہیں بھایا۔ خدا نے دنیا کی بڑی بڑی متمرد قومیں کو مٹا
دیا۔ ان کی نسل فنا کر دی۔ ان کی یادگاریوں کو بریاڑ کر دیا۔ لیکن وہ جس سرز بین
پر آباد تھے۔ اس کے دامن پر خون کا ایک وصیبہ بھی نظر نہیں آیا۔

اینہ جب انسان نے حقوق اہل کے حدود میں بھی آگے قدم بڑھایا۔
اور خونہ اپنے بھائیوں کے فطری حقوق کو پاال کرنا چاہا۔ ان کے ملک بھیجن لئے ان
کی آزادی دخود مختاری سلب کر لی۔ ان کے بچوں کی آزادا نہ نشود ناروک دی۔
ان کی زینیوں پر اپنے عذیش و نشاط کے محلہ بیر کئے۔ ان کے جسم سے نکلے ہوئے پسینے
اوہ گردنوں سے بھی ہر سے خون سے اپنی تسلیکی ظلم نہیں دی۔ اور پوری قوم
و ملک کو اپنی قومی سیادت و محظوظت کے لئے ایک آلہ بے جان بنا لیا۔ تاکہ اپنی
قدرتی حرکت کو حیدر اکرم حضرت اہل کے اشارے پر حرکت کر سی۔ تو اس دفت

خدا نے بھی اپنے شکل بھی عذاب کو پہلے سے زیادہ سخت کیا۔ اور جو سیاست خدا
اہلی پہلے سے فائم تھی۔ اس کا رنگ بالکل پرل گبا۔ پہلے سیاست ربانی
کا منصب صرف آسمانِ حُدُب میں اور ابرو دریا کو حاصل تھا۔ جن کے عذاب
کی وجہ پر لمحوں کے اندر قوم کی قوم کو پیش ڈالتی تھی۔ مگر اب یہ خدمتِ خود انسان
ہی کو بلکہ صرف انسان کے ہاتھ کی ڈس انگلیوں کو پسرو دکھانی۔ انسان جب تک
خدا کے حقوق کو پامال کر رہا تھا۔ خدا اپنی عظیم الشان خلائق کے ذریعے
سے ان کو عذاب دیتا تھا۔ اب خود انسان کے حقوقِ رہنمائی جاری ہے تھے۔
اس لئے خدا نے بھی انسانیت کی عزت و احترام کو فائم رکھنے کے لئے خود انسان
ہی کو کھڑا کر دیا۔

زیانہ و حشت میں انسان نے کتنے انسانوں کے حقوق پامال کئے ہوں گے؟
کتنے انسانوں کو قتل کر دیا ہوگا؟ کتنے بچے ذبح کر دئے ہوں گے؟ کتنی عورتوں
کے سر سے چادرِ عصمت اناری ہوگی؟ ان حقوق کے تحفظ کے لئے تلواریں بھی
جمکی ہوں گی بیرون نے بھی اپنی روانی و کھانی ہوگی۔ کمانوں کی چھڑ چڑاہٹ کی
آواز سے بھی وحشت کردہ عالم گونج آٹھا ہوگا۔ لیکن تاریخ نے ان داقعات کو پایا
ہے۔ اس وحشت موجود نہ تھی۔ اس لئے وہ بھی ان قوموں کے ساتھ
جنگل کے تاریک گوشوں اور پہاڑوں کے تنگ عوارض میں گلم ہو گئی۔ اپنے
زانہ تمن کی تاریخ نے اس قسم کے سینکڑوں داقعات کو اپنا نکسا از بر کھا
رہے۔ اور اس آموختہ کے یاد کرنے میں سب سے زیادہ زبانِ پیغام نے مدد
دی ہے۔ خون کے دھینوں نے ان کے نقشِ زمکین کو کبھی مٹانے نہ دیا۔

(DIVIDE AND RULE)

تربیت عسکری کے لئے پہلی چیز ایک متحده قومیت کا پیدا ہونا ہے۔ محض انسانوں کی ایک بھیر سے متمدن نوجہ نہیں بن سکتی جب تک کہ قومیت کی روح ایک متحدا جماعت پیدا نہ کرے۔ باہمی انتخاب والیعاق کی زنجیر سب کے سب ایک بن جائیں یہی وجہ ہے کہ جو عکوئی اپنے جبر دا استبداد کے قائم کرنے کے لئے کسی قوم کے سپاہیا نہ جذبات کو فنا کرنا چاہتی ہے۔ وہ سب سے پہلے سیاسی فریبیا سائس کے ذریعے اس میں پھوٹ، نفاق، غرض، کینہ اور باہمی اتفاق کے چیزیات خبیث پیدا کر کے ان کی جمیعت کو تپڑ دیتی ہے اور اس طرح رفتہ رفتہ ان کی قومیت فنا ہو جاتی ہے۔

لیکن اس خدعہ فریبی کی ضرورت اس وقت پیدا ہوئی ہے۔ جبکہ قوم میں کچھ لوگ بیدار دماغ متحرک اصحاب اور منہ طریقے ل رکھتے ہوں اور سیاست کی چھپی ہوئی چالیوں کے زہر آنیدہ اثر سے متاثر ہوتے رہتے ہوں۔ لیکن جب کوئی قوم دماغ کھو کر اپنے سرخیتمہ احساس کو بالکل فنا کر دیتی ہے تو چران فریب کاریوں کی ضرورت ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ سرپازار تلوار سے اس کے نقش و جود کو ترتیغ لٹک کر طرح مسادیا جاتا ہے۔

دنیا کی ملکی تاریخیں اس فرم کی بہت سی ہوئی قصور کو نایاں کر سکتی ہیں۔ لیکن مذہبی تاریخ دانیعات میں تسلیم و نظام اور ترتیب نہیں ڈھونڈ دیتی۔ وہ دنیا کو محض عبرت کا افسانہ سناتی ہے اس لیے وہ عرف ایک اہم اور کثیر النتائج واقعات کا انتخاب کر لیتی ہے۔ جو تمام دنیا کے لئے تجویز

عہتیر ہوتا ہے۔ اور اس کو یار بار دینا کے آگے پیش کرنی رہتی ہے اور اس اصول کی بناء پر اس نے ہم کو صرف فرعون کے منظالم کی داستان سنافی ہے جس کا انہائی ظلم وعدوان یہ تھا۔ کہ وہ اپنی اجنبی رعایا کے اندر کچھ تو اور ناقصی ڈال کر حکومت کرتا تھا۔ اور ایک گروہ کی خیالی اور دسرے کو قبیلی رکھتا تھا۔

ات فرعون علا في الا سرض وجعل اهلهها شيعا

لیست تھفت طائفت متصھم

فرعون نے خدا کی زینت میں بہت سراٹھایا۔ اور اس کے رہنے والوں میں پھرٹ ڈال کر ان کو گردہ در گردہ کر دیا۔ اور ان میں سے ایک جماعت کو کمزور رکھنا اور ابھرنے نہ دیتا۔

ندھی حکومتوں کے سما ظلم ہر دن بیوی سلطنت کا ماہیہ چیز ہے اور باوجود مختلف قسم کے منظالم کے دد اپنی زندگی کے دن پورے کر لئی ہیں۔ جو خدا نے ان کے متعارہ کر دیے ہیں لیکن جبکہ کوئی سلطنت ظلم کو اس انہائی درجے تک پہنچا دیتی ہے۔ کہ انسانی حقوق کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا تو یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا ناج دنیمت اللہ دیا جاتا ہے۔ اور وہ صفحہ ہتھی سو حرف غلط کی طرح مسادی جاتی ہے۔

آن بھی ہم ہدیجہ ہے ہیں۔ کہ خدا کا یہ قانون کس طریقہ کام کر رہا ہے۔

ظلم کی موت ہی سے گری عدل پر ہوتا ہے

لیکن دینا پڑیکے بعد دیگرے ہمیشہ مستضاد قویوں نے حکومت کی ہے۔

رات کے جانے کے بعد سہیشہ دن جلوہ گر ہوا ہے۔ تاریخی کے بعد سہیشہ رشنی چکی ہے۔ سیاہی کے بعد سہیشہ سفیدی نے ظہور کیا ہے۔ یہی حال حکومتوں اور سلطنتوں کا بھی ہے۔ جب ایک طالم حکومت مٹتی ہے تو اس کی جگہ اسی ذلت ایک عادل سلطنت قائم ہو جاتی ہے۔ ظلم کا جانا ہی عدل کے ظہور کا پیام ہے۔ اور لات اگر ختم ہو گئی تو اس کے یہی معنی ہیں کہ دن آگیا۔ جب جابرانہ قوموں کی قوت فنا ہو جاتی ہے، تو ایک عادلانہ زخم قائم ہو جاتا ہے۔ فرعون کی جابرانہ سلطنت کا زوال ایک دوسری قوم کی عادلانہ حکومت کا مقعدہ تھا۔ اس لئے خدا نے فرعینبوں کی ہلاکت کے ساتھ ہی عدل ہی کے قیام کا بھی مژده سنایا۔

وَنَرِيدُ أَنْ نَمَنِ عَلَى الَّذِينَ أَسْتَصْعِفُوا فِي الْأَرْضِ
وَنَجْعَلَهُمْ أَنْهَاءً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَنَمَكِنْ لَهُمْ فِي
الْأَرْضِ مَا دَرَى فَنَحْوُنَا وَهَمَّا مَا مَنَّاهُمْ مَا
كَانُوا إِيمَانَدِرُونَ .

” اور ہم اپنے دلکی قانون عدل کی نیا پر چلتے ہیں۔ کہ جو لوگ ہماری زمین میں کمزور بنائکر ایک مدت تک رکھے گئے ہیں ان پر احسان کریں۔ اور ان کو وینا کی پیشوائی عطا فرمائیں۔ بڑی بڑی طاقت دو قوموں کے تاج و تخت کی وجہی دارت ہوں۔ اور ان کی پادشاہست زمین پر قائم ہو جائے۔ فرعون ہاماں اور ان کی حکمران قوم کو ان کی طرف سے جس چیز کا کٹھکا تھا۔ اور جس کے لئے وہ انہیں کمزور رکھتے تھے وہی ان کے سامنے لے لیں گے! ”

الْتَّلَابُ قُوَّتْ وَصَنْعَتْ

یہ تو سلطنت فرعونی کے انقلاب کی سرگزشت تھی۔ لیکن غیر کرو
کہ اس آیت کریمہ کے اندر فرآن حکیم نے کس طرح اپنے ایک قانون
اہی کی خبر دے دی ہے؟ وہ تبلاتا ہے کہ دنیا تقویت کے جادو و جلال
کی نمائش گاہ ہے۔ اور کمزور دل کی بہلاکت کا مقتل ہے۔ طاقتِ رومیں
کمزور دل کو اپنا غلام و نحکیم بناتی ہیں۔ ان میں پھوٹے اور اختلاف
ڈالتی ہیں۔ ان کے مختلف فرقوں اور مختلف گروہوں کو باہم ملنے نہیں
دیتیں۔ کیوں کہ اگر وہ مل کر ایک ہو جائیں۔ تو پھر کمزور نہ رہیں۔ ادالتوان
و بیگانگت کی طاقتِ علیٰ طالموں کا تخت ذمہج الٹ دے۔ یہی حال مصر
میں بنوا سراستیں کا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دنیا کا ایک مشتملہ اخالوں بھی ہے اور خدا
کے زبردست ہاتھ کی گاہ گاہ چمک جانے والی حرکت بھی ہوتی ہے جب
ظلہ اور طاقت کے شیطان کا غر درحد سے بڑھ جاتا ہے تو ایسا بھی ہوتا ہے
کہ دنیا طاقتِ دالوں کی جگہ کمزور دل کا گھر بنا دی جاتی ہے اور وہی نہیں جو
کمزور دل کے لئے فتنہ گاہ تھی۔ طاقتِ دالوں کی تباہی دہلاکت کا تاشا
جن جاتی ہے۔ لیس اس دن چھوٹے بڑے لئے جلتے ہیں۔ اور بڑوں کو چھوٹا
بنایا جاتا ہے۔ وہ کہ کر دے کر دے سکے تھے۔ وہ کہ بے کس دے نہیں تھے
وہ کہ عزتِ رہ تھے، مانع کرنے، بے اسی کی چیزیں مانے اور لٹھنے لٹھانے کے لئے

تھے۔ وقت آتا ہے کہ احسانِ الٰہی کے سزاوار بھئرنے ہیں۔ اور کمزوری کی جگہ طاقت کے لئے پیکسی کی جگہ فرمادائی کے لئے رونے کی جگہ توشیروں کے لئے ماقم کی جگہ عدیش و کامرانی کے لئے اور لیٹے کی جگہ لوٹنے کے لئے تمامِ علم میں نایاں ہو جاتے ہیں۔ قوتِ فرعونی کی جگہ قوتِ موسوی کی تلوار آن کی آن ہیں میں دنیا کو بلپڑا دیتی ہے اور صدیوں کی گردی ہوئی قریب پھر جاہ و جلالِ رباني کے ظہورِ فیاض کے لئے دنیا کی وارت اور خلیفہ بنائی جاتی ہیں۔

تکریبِ عسکری

لیکن جس طرح تلوار کی آخری حرکت کسی سلطنت کی شرگ کو کاٹ دیتی ہے۔ آسمی طرح اس کی پہلی جنبش نظام حکومت کو فائم بھی کر دیتی ہے۔ حکومت سیاست کا سرچشمہ ہے، اور سیاست پیاسِ سیدیشر تلوار ہی کے پانی سے بھی ہے۔ خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ناج و نجستِ اللہ نے اور نبو اسرائیل کی حکومتِ قائم کرنے کے لئے ایک تینج برہنہ کی صورت میں نایاں کرنا چاہتا تھا اس لئے ویکھو کہ کس طرح ان کو بچپن ہی سے میدانِ جنگ کے شدار و مصائب برداشت کرنے کا خوبگز نہایا اور طرح کی آزمائشوں میں ڈال دیا؟ ابھی انہوں نے دنیا میں پہلا ہی قدم رکھا تھا کہ ماں کے آغوشِ محبت سے جدا ہو گئے۔ اور جب آغوش کی محبت نے نہیں پر ریگنے والے بڑے بھی تحریر ہنہیں رہتے۔ انہوں کی محلانہ مشیست نے اپنے رسولِ ادالہ زم کو اس سے تحریر کر دیا۔ دریائے نیل کی

ٹوفان نہیں موجود کی آغوش میں اپنی ڈال دیا گیا۔ کہ ایک دن دریا کے
ٹوفان ہی میں سے ان کو اپنی راہ نکالنی تھی۔

وَأَوْحَيْتُ إِلَيْنَا أَمْ مُوسَىٰ إِنَّ رَبَّنِيَ مَدْفُونٌ فَأَذْهَبْتُ وَجْهًا
عَلَيْهِ فَالْقَيْدُ فِي الْيَمِّ وَلَا تَجِدُ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَا
عَلِمْتُ مِنْ أَمْ لِسْبَيْنَ۔

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اس کو
زوہر چھپ لائے۔ اور اگر فرعون کے ظلم کی وجہ سے اس کی جان کا خوف پڑ تو
دریا میں ڈال دے اور کسی فسم کا خوف یا غم نہ کرے۔ ہم پھر اس کی گود
میں اس کے لخت جسکر کو واپس کر دیں گے۔ اور اس کو اپنا
پیشہ میر نہیں میں گے۔

حضرت موسیٰ کی والدہ نے اپنے لخت جگر کو ذریا کی ہر دل کی
آغوش میں ڈال دیا۔ لیکن نیل کی ہر بیس اس امانت مقدس کو اور
کہیں نہیں لے گئی۔ اسی کے محل نک بخواہت پہنچا دیا۔ جس کے سر
غزور کو تکچلنے کے لئے ایک دن یہ شیر نوار پچھے آئیں والاتھا۔ پھر
فرعون کی خورنوں کو ان پر نہربان کر دیا۔ انہیں نے اپنے بچوں
کی طرح خاص شاہی محل کے اندر پروردش کی۔ اور ان کی ڈالہ
ہی ان کی دایہ قرار پا یہیں۔ اس میں اللہ کی بڑی مصلحت تھی۔ یہ
لکھی کہ حضرت موسیٰ کی پرمادش شاہی محل ہو گی۔ تو پادشاہوں کے
باہ دجلہ باطل کا ردب ان کے دل سے نکل جائے گا۔ اور

ہر جیں ہی سے شاہانہ زندگی۔ سیاست و ملک داری کے طریقے، اور
ظالانہ حکومتوں کے تمام اسرار و خغا یا ان پر منکش ف ہو جائیں گے۔
فالتفطہ آں فرعون لیکوں لہم عدد و اوحزننا
ان فرعون دھماکا نو مخطبیں۔

پھر اس کو آں فرعون نے دریا سے نکال لیا۔ اور اس پرچے کو
پردش کیا۔ تاکہ آگے چل کر وہ ان کا دشمن اور سرایہ رنج و غم
بنے۔ بے شک فرعون ہمان اور ان کا شکر غلطی پڑھتا۔ جب
اپنے دشمن کو اپنے گھر کے اندر پال رہا تھا۔ ”
اس کے بعد آزمائش و استلام کے متعدد موقعے
پیش آئے۔

پیغمبر مسیح جنگ

فوج کی تنظیم و ترتیب کے لئے جس سیچ سالا ر کی
ضرورت تھی۔ وہ تمام آلات حرب سے مسلح ہو گیا۔ لیکن وہ جن لوگوں
سے اپنی فوج کو مرتب کرنا چاہتا تھا۔ وہ خود گرفتارِ زندگی مصیبت
تھے۔ اس لئے اپنا پہلا مطلبہ جو فرعونی گورنمنٹ سے کیا وہ اسی
ذوچ کی رہنمائی کا مطالبہ تھا۔

ان ادایی حباد اللہ افی لکھ رسول امین۔

خدا کے ان بندهوں کو میرے کردارے کر دو۔ میں تمہارے پاس

۹۱۰ م

ایک امانت دار پیغمبر بن کر آیا ہوں ۔

داخلی تبلیغ

بیکن فرعون نے جیسا کہ نام ظالم باشا ہوں کا طریقہ ہے۔ ان کے اس الہی مطابقے کو رد کر دیا۔ پس عزور ہوا۔ کہ اب کچھ دنوں تک مصری میں رہ کرہ بیرون اسرائیل کی تربیت و تعلیم کا انتظام کیا جائے اور صدیوں کی محکومی و غلامی نے جس درجہ ان کے نوجی قومی کو محظل کر دیا ہے۔ اسی درجہ کسی قومی و متوثر تعلیم کے ذریعے ان میں حریت و استقلال کے خواہم پیدا کئے جائیں۔

بس حکم الہی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی دعوت کی داخلی تبلیغ میں مشتمل ہو گئے۔ اور بُنی اسرائیل کو آنے والے وقت کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ اس تیاری کا طریقہ اور اس کے اصول جو قرآن حکیم نے تبلائے ہیں۔ ہم کسی دوسری صحبت میں ان کی طرف متوجہ ہوں گے۔

پہلی فوجی نمائش

جب ایک اچھی مدت اس پر گزر گئی۔ تو حکم الہی ہوا کہ اب وقت آگیلہ ہے۔ کہ اس تیار کردہ فوج کی حرکت شروع ہو جائے۔ پہلی منزل یہ ہے۔ کہ اب فرعونی گورنمنٹ کے ساز و سامان

اور احکام و قوانین کی بالکل پرداز نہ کر دے۔ وہ بنو اسرائیل کو اپنی علائی سے لیکن نہیں دیتی۔ مگر اس کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات بالکل کھڑے ہو۔ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ لیکن عبداً الہی بھی اس کے تقاضے سے خفختے نہیں کرے گا۔

فَا إِذْ أَرَأَيْتَهُ لِيَلَالاً أَنْكَمْ هَذِبَعُونَ

وَ يَسْكُنُ بَنَدَلَ كَوَافِلَ رَاتِنَ رَاتِنَكَلَ جَاءُوكَمْ تَمَهَارَةَ
تَحَاقِبَ كَبِيرًا جَاسِكَمْ گَانَا۔

امحول نے حکم الہی کی تجمل کی۔ اور اس طرح فوج کے لئے جس اجتماعی و انسانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا قواہ تیار ہو گیا۔

روح عسکری

لیکن فوج صرف آدمیوں کی اس صفت ہی کا نام نہیں ہے۔ جو میدان جنگ لیجے دیوار کی طرح کھڑی کر دی جاتی ہے۔ بلکہ جس طرح دنیا کی ہر حقیقت مادہ و قوت سے مرکب ہے۔ اسی طرح فوج بھی جسم و روح کے جو سمیع کا نام ہے۔ یہ تو پر در دگار کا کام ہے۔ وہ چاہتے تو ایک انسان کو ایک ہزار انسانوں پر خالی کر لئے۔ با ایدھا البتی هر ہنی الموسیین علی الفتال ان لیکن منکم خشرون صابروں بغیلو امامیتین دان لکن منکم مائۃ
بغایا۔ الفا من النین کفر و ابا زہم قوم لا یفقهون۔

"اے پیغمبر مسلمانوں کو جہاد کے لئے ابھارو۔ اگر تم بیس سے بیس آدمی بھی عبابر ہوں۔ تو وہ دو سو دشمنوں پر غالب آ جائیں گے۔ اور اگر تم بیس سے سو آدمی بھی عبر کی طاقت رکھتے ہوں گے۔ تو کفار کی ایک نیار جمیعت پر علیہ حاصل کر لیں گے۔"

عزم و استقلال اور صبر و تکلی کی طاقت صرف افراد کی لثرت سے پیدا نہیں ہوتی۔ اس کی آزادی کی زندگی ہی پیدا کرتی ہے۔ جو قوارانسانی کی لشودنماکی فطرتی تربیت گاہ ہے۔

لیکن آزادی ایک ایسا جو ہر ہے۔ جو کبھی تو اس قدر ارزاد ہو جاتا ہے کہ ہر ریاست کے چکنے ہوئے ذرے بیس مل سکتا ہے اور کبھی اس قدر گران قیمت ہو جاتا ہے کہ عمر من تاج شاہی کے ٹکنے متوعدیں بیس اس کی جملک نظر آتی ہے۔

حضرت مسیٰ علیہ السلام جس نوح کی تجلیم و تربیت کے لئے خدا کی طرف سے ناسوں ہوئے تھے۔ اس کے انہی یہ جو ہر بیکلام مفقود ہو گیا تھا۔ فرعون کی غلامی نے اس کے تمام شریفانہ جزیات فنا کر دئے تھے۔ اس نے کبھی حکومت کا خواب پہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ دعوت کی طاقت نے مہنیں بالغیب کا ایک چھوٹا سا گروہ نزد مہنیں پیدا کر دیا۔ جس نے حریت صاحدثہ کی روز سے ممحور ہو کر فرعون کو لکارا تھا۔

فَانْهَى مَا أَنْتَ فَأَضَى إِنْهَا تَقْضِي هَذِهِ الْجِمِيعُونَ الْدِيَّا

”جو حکم چاہے ہمارے لئے دو۔ بہتری حکومت زیادہ سے زیادہ اس دینیوی زندگی ہی کا نیصلہ کر سکتی ہے کہ ہبھی فتل کرنے سے زیادہ تم اور کیا کر سکتے ہو؟“

لیکن یہ بھی عزت نور ایمان کی ایک جدید روح کی صدائی جس نے علموں کے ملک میں حریت حقہ کا غلغله بلند کر کے ایک نومنہ قائم کر دیا۔ درہ بنو اسرائیل کے علقے سے کبھی اس قسم کی صدائیں بلند نہیں پہنچنی تھیں۔

جہاد فی سهل اللہ سے اعراض

پس اس بنا پر بنو اسرائیل کی فوجی تعلیم و تربیت کے لئے دبی قدر تی مرکز موزوں تھا۔ جہاں انسان نے سب سے پہلے آزادی کی ہوا کھائی ہے۔ یعنی آبادیوں اور بیتیوں سے الگ کوئی صحرا اور میదان، جہاں نہ کسی کی حکومت ہو، نہ کسی انسان کا حکم آزاد چڑبوں کے غول ہوں اور خود مختار پرندوں کے جھنڈ رہی کاتا نظری وقیعی میں رہ کر وہ اپنی گم شدہ حریت کو تلاش کر سکتے تھے۔ جو مصر کی آبادیوں میں کھو گئی تھی۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہلے آئے داے جاہ وجہاں عظمت کو یاد دلا کر ان کے جذبہ شجاعت کو تمازہ کرنا چاہا ہے۔
وَاذْفَلْ مُوسَى لِقَوْمٍ يَا قَوْمٍ أَذْكُرْ وَالْغَيْثَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ

اَذْ جَعَلْنَاكُمْ اَنْبِياءً وَجَعَلْنَاكُمْ مُّلُوكًا وَآتَكُمْ مَا لَهُ
يُوْتَ اَحَدًا مِّنَ الْحَامِلِينَ يَا نَفْوَمْ اَوْخَلُوا الْأَرْضَ اَطْقُنْ سَةً
الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُ وَاَعْلَى اَدْبَارَ كَمْ فَتَنَقْبِلُوا
خَاسِسَيْنَ -

جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔ اے بیگو خدا کی نعمتوں کو
یکھو۔ ہس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے تھے۔ اب تم کہ پادشاہ بنانا
ہے۔ اور وہ عظمت عطا فرماتا ہے۔ جواب تک کسی کو محی نہ دی
سکتی۔ پس عزم اور ہدایت کردہ اور ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔
اس کی حکومت صرف لمحاری ہی قسم ہے۔ اور ہرگز
بزرگوں کی طرح پیڈھ نہ پھردا۔ اس کا نتیجہ بجزر نا کا میاںی
ذخیر و حی کے کچھ نہ ہوگا۔"

یہیں یہ امتحان ایک الیٰ قوم کے لئے سودمندر نہ ہو سکتا۔
جو صدیوں سے غلامی کی لعنت بیس گرفتار رکھتی۔ بنو اسرائیل کی بڑی
نے نہایت بیو سانہ جواب دیا۔

قَالَوْ يَهُوَسَى اَنْ يَنْهَا قَوْمًا جَبَارِينَ، وَ اَنَّا لَنْ تَدْ
خْلُهَا حَتَّى يَنْجُو اَمْنُهَا۔ فَاتَّ يَنْجُو اَمْنُهَا فَانَا دَاخِلُونَ -

" ان بیگوں نے جواب دیا۔ کہ لے موسیٰ ارض مقدس میں ایک
نہایت ہیبت ناک قیام رہتی ہے۔ ہم اس میں ہرگز داخل نہیں
ہو سکتے۔ وہ اپنے ساز و سامان اور طاقت سے ہمیں پس ڈالیں

گے۔ جب تک کہ ذہ لک سے خود بخود نہ مٹ جائیں ہم اس کا رُخ نہ کریں گے۔”

اس داخلے سے محض شاہی جاہ و جلال کا منظر دکھانا مقصود نہ تھا۔ بلکہ بنو اسرائیل کی تدیم کھونی ہوتی عظمت کو خلافت الہی کی صورت میں قائم کرنا تھا۔ اور خلافت الہی کے قائم کرنے کے لئے جس قسم کی شجاعت درکار ہوتی ہے۔ اس کو صرف نور ایمان ہی قائم کر سکتا تھا۔ بنو اسرائیل کے دل اس کی حرارت سے خالی تھے۔ وہ مخلص مومین نے اپنے نور ایمان کی حرارت سے ان کے ذلوں کو گرمانا چاہا۔

قال رَجَلٌ مِّنَ الظَّالِمِينَ يَخْافُونَ النَّعْمَةَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا أَدْخِلُوهُمْ أَبْيَابًا فَإِذَا دَخَلُتُمُوهُ كَفَانَكُمْ مَا لَبِثْتُمْ وَعَلَى اللَّهِ فَتْوَكِلُوا إِنَّ كُنْتُمْ مُّمْنِينَ۔

جو لوگ بیت المقدس میں داخل ہونے سے ڈر رہے تھے، انہیں میں سے دو آدمیوں نے جن پر خدا نے نور ایمان کے ذریعے سے احسان کیا تھا۔ کہا جہاڑ فی سبیل اللہ سے انکار نہ کر دے اور اللہ پر اعتماد کر کے ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ جب اس کے اندر داخل ہو جاؤ گے۔ تو تم یقیناً غارب ہو گے۔ اگر تم مسلمان ہو تو خدا پر بھروسہ کر دے۔”

یعنی اس پر بھی ان کے ذلوں میں حرارت پیدا نہ ہوئی

اور انھوں نے صاف جواب دیدیا ۔
قالوا یہ رسی انان نند خلہا ۱ یہ ۱۰۰ مادا موافقہا

فاذھب ۱۰۰ نت دریک مقاماتلو ۱۰۰ زاھتنا قاعدون ۔

” ان لوگوں نے کہا لے موسیٰ جب تک وہ طاقت در لوگ
اس شہر میں ہیں ۔ ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ تم اپنے
خدا کے ساتھ چاکر لڑو ۔ ہم اس جگہ بیٹھ کر تما شہ نہ کھینچیں گے ۔“

چہل سالہ قیام حضراء

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بالکل مایوسی ہو گئی اور
انھوں نے اس بزرگی قیام سے علیحدہ ہونا چاہا ہے
قال رب انی لا امليک الا نفسی و اخی فا فرق
بینا و بین القوم الفنسقین ۔

حضرت موسیٰ نے کہا ۔ خدا دنہ ! میں عرف اپنے دیجود پر اور
اپنے بھائی ہارون ہی پر اختیار رکھتا ہوں ۔ اپنی قیام کی بزرگی
اور روحانی موت کو کیا کروں ؟ اب مجھے میں اور اس بدکار قوم
میں علیحدگی کر دیں ۔“

لیکن حکم الہی ہوا کہ اسے موسیٰ ! تم مایوسی کے لیے پیدا
نہیں کئے سکتے ہو ۔ تمہاری پیغمبرانہ استقامت کی طاقت

کو ان مشکلوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ بنی اسرائیل کو مدتیں
کی غلامی نے جہاد فی سبیل اللہ کی مقدس راہ سے نا آشنا کر دیا
ہے وہ پھوٹی پھوٹی راحتیوں کے عاشق ہیں۔ بڑے مقصد کی راہ
میں مصیبت اٹھانے سے جی چراتے ہیں۔ غلامی کی زندگی کا یہ لازمی
یتیجہ ہے۔ لیس اس سے نہ کھراڑ اور انھیں یہاں سے نکال کری آزاد
و بے قید صحراء میں جا بسا۔ ڈھاں کی خالص امد فطری آب و ہوا میں ایک
زبانہ بس رکھی۔ عہد غلامی کی پر درش یافہ نسل مت جائے۔ ایک
نئی مستعد نسل پیدا ہو۔ پھر وہ راہ جہاد کی مشکلات کو برداشت
کر سکے گی۔

قَالَ قَاتِلُهَا حَرَمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتَبَاهُونَ
فِي الْأَرْضِ قَدْ قَاتَلُوا مُؤْمِنَاتٍ عَلَى الْقَوْمِ الْفَسَقِينَ -

خدا نے کہا بیت المقدس کا داخلہ ان کے لئے چالیس سال تک
حرام ہو گیا۔ اب اسی سرزین میں وہ سرگردان رہیں گے۔ حصول عظمت
میں یہ چهل سالہ تاخیر انہی کی بزرگی کا نتیجہ ہے۔ لیس اپنے لوگوں کی
تحرجی پر نہیں افسوس نہیں کرنا چاہئے۔

دنیا پر لگنے والے بزرگوں کی حکمران ابھی

پرانی دنیا کی پائیں کر رہے ہیں

(لاہور میں مولانا آزاد کی تقریب)

لاہور :- ۲۱ فروری ۱۹۵۷ء۔ سٹی کمیٹی لاہور کے زیر
انتظام ایمان لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے
میں نہ صرف لاہور بلکہ امرتسر - گوجرانوالہ - دہلی آباد - قصور - چوپورہ
اور دیگر نوآجی بستیوں کے لوگ بھی امام الحنفی حضرت مولانا آزاد کی
تقریب سنبھل کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حاضرین کی تعداد ۲ لاکھ
کے قریب تھی۔ حضرت مولانا نے بین الاقوامی حالات پر سیر حاصل
تھے نہیں۔ اور حکومت دکان نگر سس میں سمجھوتہ نہ ہونے کے
دلیل اسباب بیان فرمائے۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔

بہنو اور بھائیو : پھلے برس بھی جاڑیے کا موسم تھا
کہ میں نے آپ کی صورتوں کو اپنے چاروں طرف پھیلایا۔
آپ سو ماہ سے زیادہ مدت گزر چکی۔ یہ ہماری محنتی زندگی

بیں کوئی بڑی مدت نہیں۔ ۶

دد کرد ٹیکیں لیں عالم غفلت میں خواب کی
لیکن معصوم ہوتا ہے کہ قدرت کے غبی بھتوں نے گھر بیوی کی
رفتار تیز کر دی ہے۔ ان تیرہ چہینوں میں دنیا کا نقشہ پر زمینے پر نہ سے
ہو گیا ہے۔ گھر بیوں کی منشوں کی سویں اس چہینوں کی رفتار سو
چل رہی ہیں۔ اور تپہ نہیں کہ قدرت کا مخفی ہاتھ اب دنیا کا
نقش کس صورت میں تیار کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت تک
کئی دیواریں گر جکی ہیں۔ اور جو باقی ہیں وہ گرنے والی ہیں۔
اس لئے کہہ نہیں سکتے۔ کہ پرودہ غیب سے کیا خلاصہ میں
آئے دالا ہے۔ اس عرصہ میں ایک اہم تبدیلی واقع ہوئی اور وہ
یہ کہ پہلے جہاں ہم موجودہ خونی جنگ میں ایک میاثانی
کی خیبت رکھتے تھے اب وہی خرز نریز جنگ ہمارے دروازوں
پر ہے۔ اس لئے اپنے فرغ سے غافل نہیں ہو سکتے۔

دروازے پند ہو گئے

مولانا نے کہا کہ اڑھائی سال سے پکھیں کھلایا جا رہا
ہے۔ اس عرصہ میں ہماری پوزیشن کسی سے مخفی نہیں رہی۔ ہم نے
ہر فردم پر اپنے فرض کا احساس کیا۔ ہم نے صاف طور
پر اعلان کیا۔ کہ ہماری ہمدردی نازی قوتوں کے ساتھ نہیں

پوکتی اور انعماقیت نے ایسی طاقتیوں کو جنگ کی آغوش
میں دھکیل دیا۔ جن کے ساتھ ہماری ہمدردی ہوتی۔ ہم نے چین
اور روس کے ساتھ ہمدردی مکا اعلان کیا۔ اور دیسے ہی ہمارا جہاں
اسی طرف ہو سکتا ہے۔ جو جہودیت کا حامی ہو۔ اس لئے ہم نے
صاف طور پر کہ دیا کہ ہم شہروستان کی حفاظت کرنے پر
آمادہ ہیں لیکن ہمیں یہ تو تباہی جائے۔ کہ ہم کس پوزیشن
میں ہیں۔ ہمیں کہا جاتا ہے کہ ہمارے گھر کو خطرہ ہے، لیکن
پہلے ہمیں یہ تو معلوم ہو کہ یہ ذاتی ہمارا گھر ہے۔ اذکر ہمیں
اس میں آزادانہ طور پر ہے کا حق ہے۔ اگر ہمارا گھر پہنے ہی
اجڑ چکا ہے۔ اب ہمیں اس سے کیا ہے

دلی میں کیا تھا کہ نرا غم اسے دیراں کرنا
وہ جو ہم رکھتے ہیں اک حستِ تمہر سر ہے

مولانا نے کہا۔ کہ ہم نے اس سر زمین میں عزت کے ساتھ
زندہ رہنے کا مطالبہ کیا تھا۔ گرلندٹ نے اس کے راستہ میں
لڈڑکا ہے۔ قدم پر رکا دیں پیدا کی گئیں لیکن اگر
ہم عزت کے ساتھ ہر سے کی خواہش کرتے ہیں۔ تو ہمیں کیا
جتنیم میں جائے۔

بُرُش گورنمنٹ کی روشنی

مولانا نے کہا۔ کہ اس وقت تک بُرُش گورنمنٹ کو ہم نے کئی موقعے دے۔ لیکن ہمیں ہر وقت ڈال دیا گیا ہے ہماری تناؤں کو پامال کر دیا گیا۔ آپ نے ذکر کیا کہ اس وقت باوجود یہ ندی سا پانی اس قدر جا چکا ہے کہ شامد والیں نہ آ سکے۔

بُرُش گورنمنٹ کے ردیہ میں کوئی تبدیلی داتعہ نہیں ہوئی اور اس وقت تک بُرُش گورنمنٹ پر ایسے لوگوں کا سلطنت ہے جن کے دل میں سندھستان کے لئے کوئی ہمدردی نہیں۔ میں یہ سب باتیں سنتے سنتے تنگ آ گیا ہوں۔ دنیا بدل چکی ہے۔ مگر یہ برطانی میٹی پیلیاں پرانی دنیا کی باتیں کر رہی ہیں۔ آخر اس قدر طویلی بکواس کی خودرت ہی کیا ہے۔ اگست کی پیش کش اور بعد کی تقریبیں سب بکواس ہیں۔

صرف دو سطر دلیں اتنا اعلان کر دنیا کافی ہے کہ برطانیہ سندھستان کو اپنے معاملات کا تصفیہ خود کرنے کا حق دے اور آسے وقت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اس لئے اگر کوئی صاحب دل کے کسی گوشے میں یہ خیال رکھتے ہیں

کہ موجودہ بریش گورنمنٹ پیلیم کرے گی کہ سہدھہ سستان کو۔

Self determination

کا حق ہے۔ نو وہ اس خیال کو با لکل نکال دے۔ بیس صاف طور پر یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ بریش گورنمنٹ نے ہماری ترقی کے مatum دردرازے بند کر دئے ہیں۔ اور اس سے کسی بھلائی کی توقع نہیں۔ کانگریس کو اس کے متعلق پورا تجربہ ہے اس سے بڑا حجوث اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کہ کانگریس پر یہ شرمناک الزام لگایا جائے۔ کہ وہ بعض جماعتوں کی حق ملپھی کرنا چاہتی ہے۔ حالانکہ کانگریس نے بارہا اعلان کیا ہے۔ کہ وہ کوئی آئین منظور نہیں کر سکتی۔ جو خود سہدھستانی مرتب نہ کریں۔ کانگریس سہدھستان کو خود آئین سانی کا حق دلانا چاہتی ہے۔ اور کانگریس کی بائیس سالہ زندگی اس امر کی دلالت کرتی ہے کہ کانگریس سے نیادہ اس امر کے لئے اور کوئی بھی بتیاب نہیں۔ کہ سہدھستان کو حق آزادی دے دیا جائے۔

کھلا ہوا راستہ

مولانا آزاد نے کہا۔ کہ میری صدائیں کثر اخبارات کے اوراق کے ذریعہ آپ کے کانوں سے ڈکراتی رہتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ وہ آپ کے دلوں بیس اتر جائیں

اور آپ محسوس کریں۔ کہ انہیں نیشنل کانگریس اس دقت کی ضرورت خدا کا احساس کرتی ہے۔ میں نے اس دقت تک جو گزارش کی وہ شخص ایک تعمیر کرتی۔ اس پیغام کی جزئیں اس آپ کے کانوں تک پہنچا کر آپ کے دلوں کو دستک دیجئے آیا ہوں۔

وہ عزمت کا راستہ ہے۔ خدمت کا راستہ۔ وہ خدمت جو خدا کے لئے کی جائے۔ یہ کانگریس کا نیا تعمیری پروگرام ہے کانگریس کا پرانا تعمیری پروگرام اچھا تھا۔ کاش اس پر مل کر عمل کرتے۔ ہم کہتے تھے کہ ملک کی صنعتیات استعمال کرو۔ آپ نے نہ سنا۔ آپ سندھ کے لاءِ مدد مدد ہو گئے ہیں۔ وہ جہاز جو بڑی مال لائیں تھے ملک میں پھیلاتے تھے۔ شہ سید چکے۔ اس نئے آپ دقت ہے کہ دیباٹ کی صنعتوں کو نہ دفعہ ہو۔

کانگریس کا پروگرام خدمت کا ہے۔ میں اس کی تفصیل میں عانا نہیں چاہتا ہے آپ تک معلوم کانگریس کیمپیوں کے ذریعہ پہنچ جائے گی۔ مگر آپ کے دلوں کو تھبھھوڑ کر داعی کر دیا چاہتا ہوں۔ کہ جنگ کی نہون آشام لہریں نہ دستاخان کے ساحل سے ٹکرائی ہیں۔ میری آنکھیں وہ نہون کا نقش دیکھ رہی ہیں۔ اس لئے ہم غالباً ہمیں رہ سکتے۔ جنگ آپ کو تھبھوڑ کے بھبھوڑ پر لیٹئے کی اجازت نہیں دے سکتی

وہ اپنی لہریں میں تباہیوں دبرہ بادیوں۔ سفرا کیوں اور مہلنا کیوں
کا طوفان لاتی ہے۔ اس لئے آپ کا فرض ہے کہ اس نازک
موقعہ میں بھائیوں کی اولاد کریں۔ اور اس مقصد کے لئے
جان بھی دینا پڑے تو معاملتہ نہیں ۔

خطبہ عیدِ رامی

میدان میں عیدِ اضحی کا اجتماع الحمد لله عید الفطر سے کہیں نہیادہ تھا۔ بلکہ شاید یہ پہلا موقع ہے۔ کہ میدان عیدین میں آتنا۔ مگر اجتماع کچھی ہوا ہو۔ کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ لتنے آدمی تھے۔ انسانوں کا ایک سمندر تھا جو موجیں مار رہا تھا۔ یا انسانی سردن کا جنگل تھا۔ جو حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ نماز کے بعد مولانا ابوالکلام صاحب آزادی خوب خطبہ ارشاد فرمایا۔ میں سے ذیل میں اخبارِ روزنامہ سپرد کلمتہ سے درج کرتے ہیں۔ پہنچ طبہ۔ پڑپور کے ذریعے سندھستان بھر میں سنائیا ہے۔ خطبہ مسنونہ اور انہجن تبلیغِ اسلام کلکتہ کی اسلامی خدمات کی تحریف و تعارض کے بعد فرمایا۔ پہلے میری آذاز اس میدان میں ایک محدود حلقہ تک پہنچتی رہتی، گذشتہ چند سالوں سے پورے میدان میں، انہجن کی مساعی اور سائنس کی ایک مفید ایجاد کے امداد سے پہنچنے لگی۔ لیکن اس مرتبہ عجیبا کہ مجھے یقین دلایا گیا ہے۔ میری آذاز سندھستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ رہی ہے۔ بلکہ اس مرتبہ مجھے اس بات

کا بھی یقین دلایا گبا ہے۔ کہ ہمایہ کی چوٹیاں سمندر کی موجیں اور صحرے
خوب کے بگولے بھی میری آداز نہیں روک رہے ہیں۔ بلکہ سکلکتہ
سے یہ سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ پشاور پندرہ سو میل
دُور ہے۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ تمہارے کاؤں
سے تمہاری دل کی دنیا کتنی دور ہے؟ میری آداز تمہارے
کاؤں کے پردے سے تکڑا کر رہ جاتی ہے۔ اور دل کوئی اندر قبیل
نہیں کرتا۔ وہ دل جس پر تم نے قفل چڑھا لئے ہیں۔ حالانکہ
میرے حنا طب تمہارے کان نہیں۔ بلکہ تمہارے دل ہیں

۱۹۰۶ء میں والد مرحوم کی موجودگی میں سب سے پہلے
اس مقام سے اسی محبر پر سے میری ایک ہی آدانہ، جو حقیقت
کی آداز ہے۔ بلند ہونی اور آج ۱۹۳۴ء میں پورے تیس
یرس کا فرن جملکہ گزر چکا ہے۔ باستثنा چند سالوں کے جب
کہ ڈفت کے اہم اور ملک کی نازک حدودتِ حال نے جراثیہ
کلمۃ سے ڈور و معذور رکھا تھا۔ میں اُسی حقیقت کا اعداد کرتا
رہا ہوں۔ اور تمہیں توجہ دلاتا ہوں، لیکن تم نے اب تک میری
ایک بات دستی۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں تمہارے دل کا نام
نہیں لیتا۔ تمہارے کاؤں تک اپنی صدائیں پہنچاتا ہوں۔ کیونکہ
تم نے اپنے دلوں پر عقولتوں کے استنس پرستے ڈال لئے ہیں اور
ایضاً دعفان کے اس مرکز پر استنس قفل چڑھا لئے ہیں۔ کہ

کہ اس دل کو دہی دل جبے نم آج عید کے پر نکلف پڑ دل میں
چھپائے بیٹھئے ہو۔ مخاطب نہیں کر سکتا۔ جانتا ہوں کہ تم نے
ہمیشہ میری بات تھکرانی ہے۔ لیکن تم میری بات سے انکار
نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میری بات سے انکار، حقیقت سے سے انکار
اور تم حقیقت سے سے انکار نہیں کر سکتے۔ تم نے میری بات سے
انکار کر کے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ حقیقت سے سے انکار کر کے
کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں۔ سراہم حقیقت
ہے۔ تم نے میری بات سے سے انکار کر کے اپنی اجتماعی عزت کو عہد
پہونچایا۔ حقیقت سے سے انکار کر کے کوئی شخص کسی طرح کی عزت
عامل نہیں کر سکتا۔ سن رکھو کہ حقیقت میرے ساتھ ہے،
حقیقت میری آداز ہے اور وہ کسی طرح تھکرانی نہیں جاسکتی
تم نے عصیج شام، ایک بات نہ سنی۔ تم نے میرے درجوانی
کی گفتگو نہ سنی۔ کیا اب شام زندگی کی نصیحت بھی نہ ماند گے؟
جس حقیقت کو ایک دلت سے میں مہماں ہے سامنے رکھتا آیا ہو۔
آج پھر اسی حقیقت کو تمہارے سامنے کانوں نک پہنچاتا ہوں۔
اور کہا اتنے ڈرے انسانی ہجوم میں چور انسان بھی ایسے نہیں
جن کے دلوں کی صلاحیت اس حقیقت کو قبول کر سکے۔ میں
پڑے تب برس کے غیر و نکر کے بعد جس کی کوئی عصیج اور
شام اسی نہیں گزری کہ میں نے پوری توجہ اور پوری دلسوہنی

کے ساتھ خور و فکر نہ کیا ہو۔ اس نتیجہ پر بہنچا ہوں۔ کہ مسلمانوں کی اجتماع فلاح و صلاح بجز اس کے کسی دوسرے معاملات پر سے متوقف نہیں ہے۔ جو قرآن کے ہر صفحہ پر لکھا ہوا نم دیکھ رہے گے۔

اقامة الصلوٰۃ و آتا الزکاۃ

منئے ہیں۔ جن کو تم نے سب سے زیادہ غفلت کے حوالے کر رکھا ہے۔ فرمیں کہ یہم نے اسی مسئلہ پر سب سے زیادہ نور دیا۔ سب سے زیادہ تاکید کی۔ مگر۔ آج انہی دونوں مسائل کو تم نے سب سے زیادہ پس پشت ڈال دیا ہے۔ سب سے زیادہ غفلت۔ وہ غفلت جو انکار تو نہیں کیا۔ فرمیں کہ انکار ضرور ہے۔ اسی غفلت کی نذر کر دیا ہے۔ حالانکہ کفر و اسلام کے ایتیاز کے سلسلہ میں بھی اسی نماز و زکوٰۃ کو معیار فراہیا گیا۔ فرمایا فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکاۃ خا خوانکہ فی الدین وہ اگر پھر بد اعمالیوں سے تائب ہو جائیں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ کی پابندی کا اقرار کریں۔ تو وہ بھی تمہاری برادری میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔ معافیم ہوا کہ شرط اسلام، انحصار دار اسلام، نیک عملی کے ساتھ ساتھ نشر و طبع ہے۔ قیام صلوٰۃ اور ادائے زکاۃ سے — — غیر کر نہ کے۔ تو خود سمجھو گے کہ اسلامی اعمال دا حکام قطعاً اجتماعیت کے حامل ہیں۔ اسلام اپنے حلقوں بگوش افراد سے تحد اپنی کے مقاصد کے لئے

چاہتا ہے۔ کہ ان کا ہر عمل اجتماعی ہو۔ اس لئے فرض قرار دیا گیا۔
کہ نماز مسلمان باستثنے حالت مجبو ری ہمیشہ جماعت کے
ساتھ ادا کرے۔ اگر مشاغل معاش مذرا تھ روزی مخل
ہوں۔ تو لازم ہے کہ کم سے کم ایک روزت کی نماز خرچہ ہر مسلمان
جماعت کے ساتھ ادا کرے۔

زکوٰۃ

اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں بھی حکم ہے مسلمان کی
زکوٰۃ بھی اجتماعی صورت سے ادا کی جائے۔ کچھ پہنچا نہیں
اگر پہلے شہر کی تنظیم نہیں ہو سکتی اور میں آج اس غلط
فہمی کی بھی تردید کر دوں جو بعض حلقوں میں ظاہر کی جا رہی
ہیں کہ اس کے لئے امارت کی شرط ہے۔ امارت کی فطعاً کوئی شرط
نہیں ہے۔ البتہ وہ ایک اعلیٰ صورت ہے۔ لیکن اگر امارت
حالات کے تفاصیل یا ماحول کے اندر سے بعید الامکان یا ناممکن
ہے تو اس پیغما بر کا جائز یا ناجائز بیانہ پر اللہ کے ایک واضح
صریح ادرا ناکبندی حکم میں بیت داعل، بیل و حجت یقیناً قابل
معنیت موانع ہے، قابل محتسب ہے عبید ہے۔ جو لوگ فرواؤڑا
زکاۃ اپنے طور ادا کرتے ہیں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ
درست نہیں ہے اور آج میں ایک قدم آگے بڑھتا ہوں۔

اور اس جمہر پر سے اپنی پوری ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں۔
کہ عرف یہی نہیں کہ یہ زکاۃ جو انفرادی طور پر ادا کی گئی ہے۔
وہ سرت نہیں ہے۔ بلکہ صحیح اور واضح ہے کہ وہ زکاۃ ہی نہیں
ہے۔ کوئی دوسرا نام دیا جاسکتا ہے۔ نکوٰۃ کا نام نہیں دیا
جاسکتا۔

بُس جب تک تم بخثیت مسلمان اجتماعی طور پر قرآن کے
حکم اور منشاء کے فطرت کے ماخت اپنے اعمال خصوصاً نماز حج
زکوٰۃ کو تنظیم کے ساتھ ادا نہیں کرتے۔ تم سے وہ تمام دینی
برکات اور وعدے جن کی تملکو تلاش ہے۔ بخثیت تم سے
دوسرا رہیں گے۔ اور جس روز تم نے اجتماعی شکل اور اعمال
یہی اجتماعی حسن نطاعت پیدا کر دیا۔ یقین کرد کہ حصہ یہی تمام
دولت تم کو پھر سونپ دی جائے گی۔

بُس تم سے آج پھر تاکید کرتا ہوں۔ کہ اپنے اعمال یہی
اجماعیت کی صیرت پیدا کر د۔ اور ہر ہر فصیبہ و محلہ میں کم
سے کم پانچ آدمیوں کی ایک جماعت بناؤ۔ چھ بھی نہیں
صرف پانچ جو زکاۃ تھیں تنظیم کرے۔ اور اسے پوری
ذمہ داری اور باقاعدگی کے ساتھ عرف کرے۔ تم دیکھو گے
کہ بہت جلد پورا محلہ بلکہ پورا شہر تھاری کیشی کا جمیر بن
جائے گا۔ اور یہ ایک قابل تعلیم نمونہ بن جائے گا۔ جسی

عامل ہو کر خیر و برکت کے متلاشی اپنی سعادتوں اور گشادہ متعال
دولت و حشمت ڈھونڈیں گے کیا تم میں اسے پانچ دل بھی نہیں ہیں
جو میری بات بگوش دل سن سکیں؟

یاد رکھو! محض فکری وسائل سے تم لپنے کھونے ہوئے
وقار اور دولت کو حاصل نہیں کر سکتے۔ بنیادی چیز جس کو تم
نے اپنے غفلتوں اور گمراہیوں کی نذر کر دیا ہے۔ یعنی عمل اندر عمل
اجماعی جب تک اس پر استوار اور مضبوطی کے ساتھ قائم نہیں
ہوتے۔ تم کو اس وقت تک کھو دیا ہوا وقار یا چھینی مہنگی دولت والیں
نہیں پہنچ سکتی۔ فکری وسائل کو محض دماغ کے اندر دنی زندگی
رغم سمجھو۔ باہر کا زندگی رغم جب ہی پیدا ہوگا۔ جب
جڑ اور بنیاد مضمبوط رکھو گے۔ تم کسی درخت کو ہرا بھرا سبز شادا
ر کھنے کے لئے شاخوں اور پیوں میں پانی ڈالو گے۔ تو درخت
ہرگز سر ببرہ ہوگا۔ البتہ اگر تم جڑ میں پانی دو گے۔ اس کو
ہرا بھرا رکھو گے۔ تو تمام درخت بزر، شاداب اور بارہ آدر رہے گا
لہذا اگر تم اپنے کھونے ہوئے وقار اور دولت کی نیاپی کی کھوج
میں ہو۔ اگر تم میں جزو پتی سر بام رفت پر زد بارہ پسخاچا ہٹے ہو
تو جڑ بنیاد اور اعلیٰ کی شادابی نی نکر کر د۔ یعنی اپنی نمازوں پر
استوار ہو جاؤ اور اجتماعی شکل میں زکریۃ کی تنظیم و تقسیم پر قائم دعا میں
ہو۔ کہ یہی دنوں اصل و بنیاد ہیں اور انہی پر مضبوطی کے

ساتھ قائمِ دعا مل ہونے پر کھوئی ہوئی دولت کی راپسی کا سارہ۔
 هذَا وَإِنْ أَحْسَنَ الْكَلَامَ كَلَامُ اللَّهِ الْمُنْتَهٰ الْعَدْلُ
 نَبِشْرُ عِبَادِيَ الَّذِينَ بِسِتْمَعْوَنَ الْقُرْآنَ فَلَيَتَّبِعُونَ الْحَسَنَةَ
 وَأَوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

مؤمنین کے اوصاف و مدارج!

رمولانا ابوالکلام آزاد

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْجَاهِدُونَ النَّاسُ حُكُومُ الرَّاكِعُونَ
 السَّاجِدُونَ الْأَمِرُونَ بِا طَعَسِ دِنِ عِنْ الْمُنْكِرِ
 وَالْحَافِظُونَ لِحَدْدُودَ اللَّهِهِ
 ترجمہ ۔۔ توہہ کرنے والے عبادت میں سرگرم رہنے والے یثیرحتیا
 کرنے والے ۔ رکوع و سجود میں حچکنے والے ، برائی سے روزگرنے والے ۔
 اور اللہ کی کھٹہرائی ہوئی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ۔
 مندرجہ بالا آیت صحیحات معارف میں سے ہے ۔ فرمایا یہ سچے
 مؤمنین کے اوصاف و مدارج یہ ہیں کہ ۔۔

رَوْى التَّائِبُونَ ۔۔ یعنی وہ جو اپنی توہہ میں سچے اور کپکے ہوتے
 ہیں ۔ اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور غفلت میں اور

لغز شوں پر نام رہتے ہیں۔

(ب) الحَابِدُونَ :- یعنی وہ جواہر کی عبادت بین سرگرم رہتے ہیں۔ اندھاں کی ساری بندگیاں اور بنا زمینیاں صرف اسی کے لئے ہوتی ہیں۔ عبادت سے مقصود عبادت خاص بھی ہے۔ اور عام بھی۔ خاص یہ کہ خاص و فترت اور خاص شکلیں کی عبادت جزویں حق نے قرار دے دی ہے۔ اسے پورے اخلاص اور خشوع و خفیع کے ساتھ ادا کرے۔ عام یہ کہ انسان کی فکری حالت عبادت گزارانہ ہو جائے اور پھر وہ جو کچھ بھی کرے۔ جو کچھ بھی کہے۔ جو کچھ بھی کرے۔ سب بین ایک عابدانہ روح کام کر رہی ہو۔

(ج) الْحَامِدُونَ :- یعنی وہ جو اپنی شکر سے اور اپنے قول سے اللہ کی حمد اور ستائش کرنے والے ہیں۔ فکر سے حمد و ستائش یہ ہوتی ہے کہ بجکم۔

وَيَقُولُونَ فِي حَلَاقِ السَّهْمَوْتِ وَالْأَسْرَصِ (۹۱: ۳)

آسمان، زمین کی خلقت یہی غور فکر کرنا۔ اور ان تمام کار خراپیوں کی محنت حاصل کرنا جو اس کی محرومیت و جمال پر دلالت کرتی ہے۔ قول یہی حمد و ستائش اس فکری حالت کا قدرتی نتیجہ ہے۔ کیونکہ جس سہی کی محرومیت دل ددماغ یہی لبس چاہئے گی۔ خفر دری ہے کہ زبان سے بھی یہی اختیار اس کی حمد و شتا کے ترانے نکلنے لگیں۔

رَدُّ السَّائِحُونَ وہ جو راہ حق میں سیر و سیاحت کرتے ہیں۔

يَعْنِي حِكْمَةُ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سَنَنُ فَسِيرُونِي أَكَارِضَ

زین بیس عبتر دنظر کے لئے گردش کرتے ہیں۔ علیکی دھنیدہ
یہ نکلتے ہیں۔ راہ حق یہی جدوجہد کرتے ہوتے ایک گوشہ سے
دوسرے گوشہ کا رخ کرتے ہیں۔ حج کے لئے خشکی دنری کی
مائیں طے کرتے ہیں۔

السَّكُونُ وَ السَّاجِدُونَ وہ جو اللہ کے سامنے
جھکاتے ہیں۔ اور رکوع و سجود کی حالت جسم پر طاری ہوتی
ہے۔ اور زبان پر بھی طاری ہوتی ہے۔

الاَهْرَانُ بِالْمَعْرُوفٍ وَ النَّاهِفُونُ عَنِ الْمُنْكَرِ
وہ جو یہی کا حکم دیتے ہیں۔ اور رایوں سے ہر کتنے ہیں یہی
صرف اپنے ہی نفس کی اصلاح پر قائم نہیں ہو جاتے بلکہ دوسروں
کو بھی اصلاح کرنے اور دنیا یہی حق میعادات کے نشر و تبادلہ
کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

إِنَّمَا فَظُولُ الْحُدُودَ لِلَّهِ يَعْلَمُ أَخْرَى وَصَدْفُ اُدْرَأَ آخْرَى
مت quam ہوا۔ یعنی وہ جو ان تمام حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔
جو اللہ نے انسان کے لئے کھڑے اوری ہیں۔ قرآن کی اصلاح یہ ہے

کلام و اجابتِ دخیق کو خواہ افراد کی زندگی سے تحلق رکھتے ہوں۔ خواہ جماعت سے دہ حدود اللہ سے تعبیر کرنا ہے۔ لیکن یہ حدیں ہیں۔ جو مقرر کردی گئی ہیں۔ ان کے ٹوٹنے میں انسانی امن سعادت کی بنیادوں کا ٹوٹ جاتا ہے۔

یہ کل سات و صاف ہونے اور جس ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں وہ قابل غور ہے۔ یہ گویا نفس انسانی کے ترکیہ و ترقی کے لئے سات درجے ہیں۔ پا سات طبقے ہیں جو یکے بعد دیگرے بھیک اسی ترتیب سے سلوک ایمانی میں پیش آتے ہیں۔

جب کوئی انسان راستی و پداشت کی راہ میں قدم اٹھا گا۔ تو قدرتی طور پر پہلا مقام توبہ و انبات کا ہی ہوگا یعنی مغلتوں اور گمراہیوں سے خواہ دہ کفر کی ہوں۔ خواہ الفاق کی۔ خواہ محاسی و دلالت کی باز آئے گا۔ اور آئندہ کے لئے ان سے بچپنے کے لئے عہد کرے گا۔ اور اپنے سالے دل اور ساری روح سے اللہ کی طرف رجوع ہو جائے گا۔ ادھر یہی توبہ کی حقیقت ہے۔ پھر اگر توبہ صحی ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کی بذرگی دنیا ز مندی کی سرگرمی پیدا ہو جائے۔ لیس یہ دوسرا منزل ہوئی یا سلوک ایمانی کا دوسرا طبقہ پھر چونکہ عبادت گزاری کی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ نکر اور ذکر کا نفع ام حاصل ہو جائے۔ اور ملکِ اسلام دارالرض، کے مشاہدہ

نظرت کا دروازہ کھل جائے۔ اس لئے تیسری منزل تجدید و تبیح کی منزل ہوتی۔ یعنی اللہ کی حمد و ثناء کے جوش سے معمور ہو جانے کی منزل کہ رینا ماما خلافت ہے ایسا طلا پھر اگر تو یہ دانا بست کا قبضہ عبادت کا ذوق، اور تجدید و تبیح کا عرفان کامل درجہ کا ہے۔ تو یہ نہیں کہ مومن صادق کو گھر میں چین سے پہنچنے دے۔ ضروری ہے دن و مکان کی اعلفنت کی ریخیریں ٹوٹیں اور سیپر و سیپیا حتیٰ میں قدم سرگرم ہو جائیں۔ پس یہ چوتھی منزل ہوتی اور الساجدون کا طبقہ چو تھا طبقہ ہوا۔

ان چار منزلوں سے جو کا روانِ عمل گز رکھا۔ اس نے اصلاح نفس کی مسافت طے کر لی۔ پس اب پانچویں منزل الکعون الساجد کی ہوتی۔ یعنی بندگی و نیازِ منزی میں پورے ہو گئے اور اللہ کے آگے سرینماز ہمیشہ کے لئے جسم سمجھا۔ اب امر و دین بالمعتر والناہو عن المحتکر کا مقام انہیں حاصل ہو جائے گا۔ یعنی اپنی تعلیم و تربیت کا معاملہ پورا کر کے دہ مردوں کے لئے معلم و مرتب ہو جائیں گے چنانچہ چھٹی منزل بھی ہوتی۔ اور اسی سے آخری منزل کے ڈانڈے مل گئے۔ کہ الحافظون الحمد لله کا مقام ہے۔ یہاں پہنچ کر ان کے تمام اعمال حدد الہی کے سانچے میں ڈھنل جاتے ہیں۔ وہ خود اپنے اعمال میں بھی حمد و اللہ کی کامل نگہداشت کرتے ہیں۔ اور اپنے دجد سے باہر بھی ان کے نفاذ و قیام کی نگہبانی کرتے ہیں۔

اس آیت سے بہباد ناضح ہو گئی۔ کہ نیک مقصد سے پروجیٹ کرنا پسکے مومنوں کا بہترین عمل ہے اور ان اعمال میں سے ہے جن کے ذریعے سے وہ ایمان کے درج طے کرتے اور خصائص ایمانی میں کامل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس سرعت کے ساتھ عمر اول کے مسلمان نام دینا میں پھیل گئے۔ اس کی کوئی نظر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور جب تک اسلام کی عملی روح زندہ رہی ان سے بڑھ کر زمین مسافریں طے کرنے والی کوئی قوم نہ تھی۔ وہ سیاحت کو سیاحت سمجھ کر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اللہ کی عبادت سمجھتے تھے اور فی الحقيقة سیاحت نہ صرف ایک تنہ عبادت ہے۔ بلکہ کتنی ہی عبادتوں کا جو یہ ہے۔ گھر بار چھوڑنا، عز بزرگ اقارب کی جدائی برداشت کرنا۔ سفر کی مشقتوں میں پڑنا۔ قدم قدم مال خرچ کرنا۔ آبہ و ہوا کی نامہ افاقت۔ اجنبیوں سے محبت و معاملت اور پھر ان تمام مرانع و مشکلات میں عزمِ عمل کا استیار رہنا ایسا رہنمی سے کتنے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ تب کہیں جا کر یہ عمل انجام پاتا ہے۔

سورہ تحریم میں یہی وصف عورتوں کے لئے بھی فرمایا۔

مُؤْمِنَاتٍ فَاتَّاَتِ تَابِيَّاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ (۱۴۶) ر ۱۴۶
اللہ کی فرمابندار۔ برائیوں سے پرہنگر کرنے والیاں۔ عبادت گزار سیاحت میں سرگرم اور روانیات سے ثابت ہے کہ نہ صرف

صحابہ کرام کی بیویاں بلکہ پیغمبرؐ اسلام کی ازدواج مطہرات بھی جنگ میں نکلنی تھیں اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں۔ بعد کو اس بارہ میں جو حال رہا وہ شرح بیان سے مستغنی ہے۔
بعضوں کو اس پر تعجب ہوا۔ کہ پیر و سیاحت کا شمار بھی خصالص ایمانی میں ہو۔ اس لئے السائحون اور السائحتات کے لئے اذکر مصطلح معنی سے گزینہ کرنے لگے۔ لیکن فی الحقیقت ان کا تعجب محل تعجب ہے۔ قرآن حکیم نے، بحث کو ایمان کا بہترین عمل تواریخ دیا ہے جو کہر بال چھوڑ کر نکلتا ہے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کے فرمایا:

القُوَّاتُ هُنَّا وَ الْقَوَافِلُ رُوْا وَ الْمُحْجَّةُ هُرَيْطٌ
مسلمان پر کہ ہر دن ہو یا عورت فرض کر دیا۔ جو باشندگان کے کے علاوہ سب کے لئے بڑی سیاست ہی ہے۔

یا نین من کل حج عدیق (۲۸: ۲۸) (۲۷، ۲۶) نیز جا بجا زدہ دیا کہ ملکوں کی بسرا کرد۔ اور بھلپی قوموں کے آثار و باقیات سے عبرت کر د۔ اُن کے عدج دزد زوال کے حالات و بواعث کا کھیج رکھا۔ خدا کی فدرست و حکمت کی ان ثانیوں پر غور کر د۔ جنہیں کے چہے چپے میں پھیلی ہوئی ہیں اور اسی صورت میں یہ حکم طریص رکھے۔ کہ طلب علم کے لئے گھر دل سے نکلو۔ اور علم کے مرکز میں پہنچو۔

فَلَوْلَا نَفِرَ مَنْ كَلَ فَلَيْهِ مَنْهَمْ طَائِفَةٌ لِيَفْقَهُوا فِي الْأَيْمَنِ

دلیلیں رکو افودہم اذا رجعوا الیہم
۹: ۱۲۲ : ادہ

تجارت کے سفر کو بھی فصل الی کی جستجو سے تجیر کیا۔ حتیٰ کہ حج کے موقع پر بھی اس کی اجازت نہیں دی۔ لیس علیکم حجاج ان لا تنتفو
فضلان رکھ جبکہ کہ سپرد سیاست کے یہ صریح احکام موجود ہیں۔
تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہاں اس دعف کی موجودگی میں
تجزیہ ہو!

ختم شد



82

Foto